تھیں۔
"اماں آپ....."
"ابھی چلی جاؤ' محمل! ورنہ وہ ہنگامہ کردیں گی۔"
"یہ سمجھتی کیوں نہیں ہیں؟" وہ زچ سی ہو کر کتابیں رکھنے لگی۔
"شاید حسن کچھ کرسکے۔ مجھے حسن سے بہت امید ہے۔"
"اور مجھے اللہ سے ہے!" وہ کچھ سوچ کر عبایا پہننے لگی۔ پھر سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹا اور پن لگائی۔ خوامخواہ ہنگامہ کرنے کا فائدہ نہ تھا۔ چلی ہی جائے تو بہتر ہے۔ باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔
لاؤنج میں سیڑھیوں کے پاس لگے آئینے کے سامنے وہ رکی۔ ایک نظر اپنے عکس کو دیکھا۔ سیاہ حجاب میں سنہری چہرہ دمک رہا تھا۔ اونچی پونی ٹیل سے حجاب پیچھے سے اٹھ سا گیا تھا اور بہت اچھا لگ رہا تھا۔
وہ یونہی خود کو دیکھتی پلٹی ہی تھی کہ آخری سیڑھی اترتے حسن پہ نظر پڑی۔
"کدھر جارہی ہو؟"
"تائی اماں کے ساتھ شادی کی شاپنگ پہ۔"
"تم راضی ہو محمل؟" وہ بھونچکا سا اس کے قریب آیا۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔
"اس گھر میں' مجھے اپنی رضا سے اس فیصلے کا اختیار نہیں ملا حسن بھائی۔"
وہ کتنے ہی لمحے خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے لب وا کیے۔
"ہم کورٹ میرج کرلیتے ہیں۔"
اور محمل کو لگا اس نے تھپڑ دے مارا ہے۔
"آپ کو پتہ ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ بمشکل ضبط کرپائی تھی۔
"ہاں' میں تمہیں اس دلدل سے نکالنے کی بات کررہا ہوں۔"
"آپ کورٹ میرج کی بات..؟ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ مجھ سے یہ بات کریں گے۔"
"تمہیں اعتراض کیوں ہے محمل! یہ تمہاری شادی زبردستی وسیم سے کردیں گے اور تم۔"
"حسن بھائی پلیز' آپ کو پتا ہے کورٹ میرج کیا ہوتی ہے؟ سرکاری شادی' کاغذوں کی شادی۔ میں ایسی شادی کو نہیں مانتی جس میں لڑکی کے دل کی مرضی شامل نہ ہو۔"
اور میں کیوں یوں چھپ کر شادی کروں گی؟ نہ آپ سے' نہ وسیم سے۔ میرا راستہ چھوڑیں۔" وہ بے بس سا سامنے سے ہٹا تو وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔
گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی مہتاب تائی اس کا انتظار کررہی تھیں۔ وہ اندر بیٹھی' اور دروازہ ذرا زور سے بند کیا۔
اسی پل ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر کوئی اندر بیٹھا۔ اس نے ڈرائیور سمجھ کر یونہی بیک ویو میں دیکھا تو جھٹکا سا لگا۔
وہ وسیم تھا۔ اپنے ازلی معنی خیز انداز میں مسکراتے' وہ گاڑی اسٹارٹ کرچکا تھا۔ اسے لگا اس سے غلطی ہوچکی ہے' مگر اب کیا کیا جاسکتا تھا۔؟
لب کچلتی وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔
تائی مہتاب منگنی کی شاپنگ کررہی تھیں یا شادی کی' وہ کچھ نہ سمجھ سکی۔ بس چپ چاپ ان کے ساتھ میٹرو میں چلی آئی۔ وہ جہاں بیٹھیں' ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔
"سنا ہے' تم نے بڑا شور ڈالا تھا۔" تائی اٹھ کر ایک شوکیس کے قریب گئیں تو وہ اس کے ساتھ صوفے میں دھنس کر بیٹھا۔ محمل بدک کر اٹھی۔
"ارے بیٹھو بیٹھو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"
شاپ کی تیز پیلی روشنیاں وسیم کے چہرے پہ پڑ رہی تھیں' گریبان کے کھلے بٹن' گردن سے لپٹی چین' اور شوخ رنگ کی شرٹ اف' اسے اس سے کراہت آئی تھی۔
"کیا بات کرنی ہے؟"
"تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو کس سے کرنا چاہتی ہو؟" وہ استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا

تھا۔ اس کے ذہن کے پردے پہ ایک چہرہ سا ابھرا۔ ایک اندرونی خواہش۔ ایک دبتی' دبائی محبت کی ادھوری داستان' اس نے بے اختیار سر جھٹکا۔
"نہ آپ سے' نہ کسی اور سے۔ آپ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"
"ایسے نہیں محمل ڈیر' ابھی تو ہم نے بہت وقت ساتھ گزارنا ہے۔" وہ کھڑے ہو کر اس کے قریب آیا۔ وہ پھر دو قدم پیچھے ہٹی' دکان لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ پھر بھی محمل کو اس کے بے باک انداز سے خوف آتا تھا۔ نہ معلوم وہ کیا کر ڈالے۔
"اچھا ادھر آؤ' مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ قدم اٹھاتا اس کے نزدیک آرہا تھا "ادھر آئس کریم پارلر میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"
"تائی..... تائی اماں۔" بے بس سی وہ بھیڑ میں تائی مہتاب کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
"تمہاری تائی کو ان کی کوئی فرینڈ مل گئی ہے' وہ ابھی نہیں آئیں گی۔ تم ادھر قریب تو آؤ نا محمل ڈیر۔" وسیم نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھامنا چاہی' اس کی انگلیاں اس کی کلائی سے ذرا سی مس ہوئیں۔ محمل کو جیسے کرنٹ سا لگا۔ ہاتھ میں پکڑا ہینڈ بیگ اس نے پوری قوت سے وسیم کے منہ پہ دے مارا۔
"گھٹیا آدمی' پیچھے ہو!" وہ چلائی تھی۔
بیگ اس کی ناک پہ زور سے لگا تھا' وہ بلبلا کر پیچھے ہٹا۔ شور کی آواز پہ بہت سے لوگ ادھر متوجہ ہوئے۔ سیلز بوائز کام چھوڑ کر ان کی طرف لپکے۔
"یو..... یو بچ.....!" وسیم تو غصے سے پاگل ہی ہوگیا۔ ناک پہ ہاتھ رکھے' وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ایک لڑکے نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔
"کیا تماشا ہے؟ کیوں بچی کو تنگ کررہے ہو؟"
"میڈم' کیا ہوا ہے؟ یہ بندہ تنگ کررہا تھا آپ کو؟"
بہت سی آوازیں آس پاس ابھریں۔ کچھ لڑکوں نے وسیم کو بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا۔
"یہ مجھے تنگ کررہا تھا۔ اکیلی لڑکی جان کر۔" اس نے بمشکل خود کو سنبھالا اور کہہ کر پیچھے ہٹ گئی۔ اسے معلوم تھا' اب کیا ہوگا۔ اور واقعی' وہی ہوا' اگلے ہی لمحے وہ لڑکے وسیم پہ پل پڑے۔ وہ گالیاں بکتا خود کو چھڑانے کی کوشش کررہا تھا' مگر وہ سب بہت زیادہ تھے۔ "مارو..... اسے اور مارو..... شریف لڑکیوں کو چھیڑتا ہے۔"
ایک عمر رسیدہ صاحب ہجوم کے پاس کھڑے غصے سے کہہ رہے تھے۔
"زور سے مارو۔ اسے عبرت کی مثال بنادو۔"
"اپنے گھر ماں' بہن نہیں ہے کیا۔؟"
اور وہ ماں جب تک دوکان میں لگے ہجوم تک پہنچی' وہ وسیم کو مار مار کر ادھ موا کرچکے تھے۔ تائی اس کی طرف لپکیں۔ تھوڑی ہی دور صوفے پہ محمل بیٹھی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے' مطمئن سی وسیم کو پٹتے دیکھ رہی تھی۔
"محمل۔ یہ اسے کیوں مار رہے ہیں۔؟"
"کیونکہ اس کے باپ کے کہنے پہ مجھے کبھی ایسے ہی مارا گیا تھا۔"
"بکواس مت کرو۔"
"بڑی دلچسپ بکواس ہے یہ' آپ بھی انجوائے کریں نا۔" وہ محظوظ سی وسیم کو پٹتے دیکھ رہی تھی۔ شاپ کا بوکھلایا ہوا مینیجر اور سیلز بوائز' مشتعل نوجوانوں کو چھڑانے کی کوشش کررہے تھے۔
"سر پلیز۔ سر دیکھیں۔" سیلز بوائز کی منت کے باوجود وہ لڑکے ان کو دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کررہے تھے۔ حواس باختہ سی تائی مہتاب ان کی طرف دوڑیں۔
"میرے بیٹے کو چھوڑو' پڑے ہٹو مردود!" وہ چلا چلا کر ان لڑکوں کو ہٹانے کی سعی کررہی تھیں۔
صوفے پہ بیٹھی محمل مسکراتے ہوئے چپس کا پیکٹ کھول رہی تھی۔
"اب یہ مرتے دم تک مجھے ساتھ نہیں لائیں گی۔" ساری صورتحال سے لطف اندوز ہوتی وہ چپس نکال کر کترنے لگی۔

☆ ☆ ☆

کیوں آتا تھا۔
رات میں فرشتے آئی تو اس نے یوں ہی پوچھ لیا۔
"مجھے ادھر دیکھنے کون کون آتا ہے فرشتے؟"
"ہم سب۔" وہ اس کے بھورے بالوں میں برش کر رہی تھی۔
"آغا جان لوگ کبھی نہیں آئے؟"
"پتا نہیں۔" دونوں ہاتھوں میں اس کے بال پکڑ کر اس نے اونچے کیے اور پونی باندھی، پھر سیدھی لمبی پونی ٹیل کو احتیاط سے آہستہ آہستہ اوپر سے نیچے برش کرنے لگی۔
"کوئی تو آیا ہوگا۔"
"میں ان لوگوں کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی محمل۔ پلیز مجھے دکھ مت دو۔" اس کے انداز میں منت بھرا احتجاج تھا، پھر محمل کچھ نہ پوچھ سکی۔ سر جھکائے بال بنواتی رہی۔
"یہ دیکھو۔" فرشتے نے پاکٹ مرر اس کے چہرے کے سامنے کیا۔ اس نے جھکا سر اٹھایا، آئینے میں اپنا عکس دکھائی دیا تو لمحے بھر کو وہ پہچان ہی نہ پائی۔
بے حد کمزور چہرہ اندر کو دھنسے ہوئے گال، زردی مائل پھیکی رنگت، آنکھوں کے نیچے گہرے جامنی حلقے، پژمردہ، بیمار، روکھا پھیکا سا چہرہ، اوپر اونچی پونی ٹیل، جو کبھی اس تر و تازہ سی محمل ابراہیم پہ بہت اچھی لگتی تھی، اس بیمار لاغر محمل پہ بہت بری لگ رہی تھی۔
"رہنے دیں، مجھے یہ بال نہیں بنانے۔" اس نے ہاتھ سے پونی پکڑ کر کھینچی۔ بال شکنجے سے نکل کر شانوں پہ بکھر گئے اور پونی اس کے ہاتھ میں آگئی۔
"کیوں کھول دیے؟" فرشتے کو تاسف ہوا۔
"میں ایسے بال نہیں بنانا چاہتی، پلیز مجھے دکھ مت دیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے الفاظ لوٹا گئی۔ فرشتے چپ سی ہو گئی اور پھر کمرے سے نکل گئی۔ شاید وہ جانتی تھی کہ اس وقت محمل کو تنہا چھوڑ دینا ہی بہتر ہوگا۔

☆ ☆ ☆

ہمایوں کا گھر۔ محمل کا گھر۔ ہمایوں اور محمل کا گھر۔
وہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ خوب صورتی سے آراستہ، کونا کونا چمکتا ہوا، فانوس کی روشنیاں، بکھر جگر کرتی بتیاں، قیمتی پردے، یہ ہی سب پہلے بھی اس کے گھر میں تھا، اب بھی تھا، مگر رنگ بدل گئے تھے۔ لاؤنج کے صوفے، پردے یہاں تک کہ گملے بھی بدل گئے تھے۔ چیزیں رکھی گو اسی ترتیب میں تھیں، مگر ان کا رنگ پہلے جیسا نہ تھا۔ ہر شے نئی تھی، جیسے ہمایوں تھا۔ اپنی جگہ پہ ویسے ہی موجود، مگر پھر بھی بدل چکا تھا۔
"کیسا لگا تمہیں اپنا گھر؟" اس کی وہیل چیئر پیچھے سے دھکیلتی فرشتے خوش دلی سے پوچھ رہی تھی۔
وہ گم صم سی، خالی خالی آنکھوں سے در و دیوار کو دیکھے گئی۔ سات سال پہلے وہ اس کا گھر تھا۔ اب شاید وہ صرف ہمایوں کا تھا۔
ڈاکٹرز نے اس کا مزید اسپتال میں رہنا بے فائدہ کہہ کر اسے گھر شفٹ کر دیا تھا۔ اس کی بیماری وہیں تھی۔ دایاں ہاتھ ٹھیک، بایاں ہاتھ و بازو زراست اور نچلا دھڑ مکمل طور پر مفلوج، وہ کہتے تھے کہ وہ اچانک سے کبھی ٹھیک ہو سکتی ہے اور ساری عمر بھی اس طرح رہ سکتی ہے۔ بس آپ دعا کریں، اب وہ کیا کہتی، آپ کو لگتا ہے کہ ہم دعا نہیں کرتے؟ مگر ایسی باتیں کہی کہاں جاتی ہیں۔
فرشتے اسے لاؤنج کے ساتھ بنے کمرے کی طرف لے گئی۔ اس نے وہ اس کے مطابق سیٹ کروا دیا تھا۔
"مگر میرا کمرہ تو اوپر تھا فرشتے۔"
"محمل۔ سیڑھیاں چڑھنا اس وہیل چیئر کے ساتھ۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔
"اور ہمایوں کا سامان؟" کچھ دیر بعد چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے وہ پوچھ بیٹھی۔ "ان کا سامان کدھر ہے؟"
"ہمایوں تو... میں نے اسے کہا تھا۔ مگر... آئی تھنک وہ اپنے کمرے میں زیادہ کمفرٹیبل ہے۔"
"تو وہ یہاں نہیں آئیں گے؟" محمل ششدر رہ گئی۔

"کوئی بات نہیں محمل! وہ اسی گھر میں رہتا ہے، کسی بھی وقت آ جا سکتا ہے۔" فرشتے خوامخواہ شرمندہ ہو رہی تھی۔
"نہیں فرشتے! تم ان سے کہو کہ وہ مجھے یوں اکیلا تو نہ کریں۔"
اس نے بے اختیار فرشتے کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد وہ صرف ایک دفعہ اس سے ملنے آیا تھا، پھر کبھی نہیں آیا۔
"محمل، پلیز، میرے لیے تم دونوں بہت عزیز ہو، وہ کزن ہے اور تم بہن، اس لیے میں نہیں چاہتی کہ میری کسی بات سے وہ یا تم ہرٹ ہو۔ پلیز مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں تم دونوں کے پرسنلز میں دخل دوں، مجھے اس کا کوئی حق نہیں ہے۔" اس نے بہت نرمی سے اسے سمجھایا۔ وہ اس کے ہاتھ تھامے گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ محمل لاجواب سی ہو گئی۔
"اور تیمور؟ اس کا کمرہ کدھر ہے؟" بے اختیار اسے یاد آیا۔
"لاؤنج کے اس طرف والا کمرہ۔"
"ہمایوں اسے اپنے ساتھ نہیں سلاتے؟ وہ اتنا چھوٹا ہے، وہ اکیلا کیسے سو سکتا ہے؟" اس کا دل تڑپ کر رہ گیا۔
"جن بچوں سے بچپن میں ہی ان کے ماں، باپ دونوں چھن جائیں، وہ عادی ہو جاتے ہیں محمل! اگر وہ مجھے پسند کرتا ہوتا تو میں اسے ساتھ سلاتی مگر... وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔"
"کیوں؟" وہ بنا سوچے بول اٹھی۔ جواباً فرشتے اداسی سے مسکرائی۔
"وہ تو تمہیں بھی پسند نہیں کرتا، کیا اس میں تمہارا قصور ہے؟"
محمل کا سر آہستہ سے نفی میں ہل گیا۔
"سو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، اگر وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔ تم بیٹھو، میں کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں۔ اب تم نارمل فوڈ لے سکتی ہو۔ میں نے ڈاکٹر سے بات کر لی تھی۔" وہ جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو محمل بے اختیار کہہ اٹھی۔
"آپ بہت اچھی ہیں فرشتے! میں کبھی آپ کی اس کیئر کا بدلہ نہیں دے سکتی۔"
"میں نے بدلہ کب مانگا ہے؟" وہ نرمی سے اس کا گال تھپتھپا کر باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

دن پژمردگی سے گزرنے لگے۔ وہ سارا دن کمرے میں پڑی رہتی، یا فرشتے کے زبردستی مجبور کرنے پہ باہر لان میں آتی اور وہاں بھی گم صم ہی رہتی، فرشتے ہی کوئی نہ کوئی بات کر کے اس کا ذہن بٹا رہی ہوتی اور یہ باتیں عموماً فرشتے اس سے نہیں کرتی تھی۔ بلکہ اس کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے کبھی وہ کیاری میں گوڈی کرتے مالی سے مخاطب ہوتی، تو کبھی برآمدے کا فرش دھوتی ملازمہ سے۔ فرشتے اب اتنا نہیں بولتی تھی جتنا پہلے بولتی تھی۔ اس کا انداز پہلے سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اور یہ وقت کا اثر تھا، وہ اثر جو نہ چاہتے ہوئے بھی وقت ہر انسان پہ چھوڑ ہی جاتا ہے۔
فرشتے نے گھر کو اچھی طرح سے سنبھالا ہوا تھا۔ گو کہ ہر کام کی جز وقتی ملازمائیں رکھی ہوئی تھیں مگر تمام انتظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے باوجود وہ نہ کسی پہ حکم چلاتی تھی، نہ اس گھر کی پرائیویسی میں دخل دیتی تھی۔ محمل یا ملازموں سے بات کرنے کے علاوہ وہ زیادہ کلام بھی نہ کرتی تھی۔ تیمور اور ہمایوں کے کمرے کے اندر وہ نہیں جاتی تھی، بلکہ دروازے پہ کھڑے ہو کر صفائی کرواتی۔ ملازموں کو تنخواہ ہمایوں دیتا تھا۔ فرشتے گیسٹ روم میں ہی قیام پذیر تھی۔ ہمایوں سے بات وہ بہت کم کرتی تھی، وہ بھی شدید ضرورتاً، اور تیمور تو ویسے بھی ہر شے سے چڑا ہوا لڑکا تھا۔ سو وہ اسے مخاطب نہیں کرتی تھی۔ کبھی جو کر لے تو تیمور اس بدتمیزی سے پیش آتا کہ الامان۔
محمل نے نوٹ کیا تھا کہ تھوڑی دیر بدتمیزی کر کے تیمور چیخنے چلانے پہ آجاتا تھا اور اگر مزید کچھ کہا

FIAZ AHMED
Friends Forever .com

اس نے دروازہ ہولے سے بجایا۔ مدھم دستک نے خاموشی میں ارتعاش سا پیدا کیا۔

"آجاؤ محمل!" اندر سے فرشتے کی تھکن زدہ مسکراتی آواز آئی اس نے حیرت سے دروازہ کھولا۔

"السلام علیکم۔ اور آپ کو کیسے پتا کہ یہ میں ہوں؟"

"میں تمہاری چاپ پہچانتی ہوں۔" وہ بیڈ پہ بیٹھی تھی گھٹنوں پہ لحاف پڑا تھا۔ ہاتھ میں کوئی کتاب تھی۔ بھورے سیدھے بال شانوں پہ تھے۔ اور چہرے پہ ذرا سی تکان تھی۔ محمل اندر داخل ہوئی تو فرشتے نے کتاب سائیڈ ٹیبل پہ ڈال دی اور ذرا سا کھسک کر جگہ بنائی۔ "آؤ بیٹھو۔"

"تائیس روم۔ فرسٹ ٹائم آئی ہوں آپ کے ہاسٹل!" محمل ستائشی نگاہیں اطراف میں ڈالتی بیڈ کی پائینتی کے قریب بیٹھی۔ وہ اسکول یونیفارم میں ملبوس تھی، جبکہ فرشتے بالکل مختلف گھر۔۔۔ والے حلیے میں تھی۔

"پھر کیسا لگا ہاسٹل؟"

"بہت اچھا اور آپ آج اسکول کیوں نہیں آئیں؟"

"یونہی۔ طبیعت ذرا مضمحل سی تھی۔" وہ تکان سے مسکرائی۔ اس کا چہرہ محمل کو بہت زرد سا لگا تھا۔ شاید وہ بیمار تھی۔

"اپنا خیال رکھا کریں۔" پھر قدرے توقف سے گویا ہوئی "آپ ہمارے ساتھ ہمارے گھر چل کر کیوں نہیں رہتیں؟ وہ آپ کا بھی گھر ہے، آپ کا حق ہے اس پہ، آپ کو اس گھر میں سے اپنا حصہ مانگنا چاہیے۔"

"مجھے مٹی کے مکان کا کیا کرنا ہے؟ وہ تو میں ایک دن خود بھی بن جاؤں گی مجھے تو رشتوں میں سے حق چاہیے۔"

"تو ان پہ زور دیں نا۔"

"کوئی اور بات کرو محمل!"

"اف!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔ "مجھے علم ہی نہ تھا کہ میری ایک بہن بھی ہے اور ساری عمر میں بہن کے لیے ترستی رہی۔"

"ہم لوگوں کے ساتھ کے لیے نہیں ترستے محمل، ہم لوگوں کے ساتھ کی "چاہ" کے لیے ترستے ہیں، اور اسی چاہ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ لوگ مل جاتے ہیں تو پھر یوں لگتا ہے کہ وہ تو کچھ نہ تھے۔ سب کچھ تو وہ چاہ تھی جس کی ہم نے صدیوں پرستش کی تھی۔"

"آپ بیمار ہو کر کافی فلسفی ہو گئی ہیں، سو پلیز، اچھا سنیں، ایک بات بتاؤں۔" وہ پُرجوش سی بتانے لگی۔ "کل تائی اماں مجھے وسیم کے ساتھ شاپنگ پہ لے گئیں، اور میں نے اسے شاپ میں لوگوں سے پٹوایا۔"

"آپ بیمار ہو کر کافی فلسفی ہو گئی ہیں، سو پلیز، اچھا سنیں، ایک بات بتاؤں۔" وہ پُرجوش سی بتانے لگی۔ "کل تائی اماں مجھے وسیم کے ساتھ شاپنگ پہ لے گئیں، اور میں نے اسے شاپ میں لوگوں سے پٹوایا۔"

"بری بات۔ قرآن کی طالبہ ایسی ہوتی ہے کیا؟"

"ارے اس نے میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی، اور اسے سبق سکھانے کے لیے یہ ضروری تھا یو تو، سیلف ڈیفنس! ہمایوں کیسا ہے؟" ایک دم اس نے پوچھا اور خود بھی حیران رہ گئی۔

"اب بہتر ہے۔"

"اوہ شکر الحمد اللہ۔" وہ واقعتاً خوش ہوئی تھی۔ چہرہ جیسے کِھل اٹھا تھا۔ فرشتے بغور اس کے تاثرات جانچ رہی تھی۔

"تم اسے پسند کرتی ہو، رائٹ؟"

اس کی نگاہیں بے اختیار جھک گئیں۔ رخسار گلابی پڑ گئے۔ اسے توقع نہ تھی کہ فرشتے اتنے آرام سے پوچھ لے گی۔

"بتاؤ نا۔" فرشتے ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہوئی اور غور سے اس کا جھکا چہرہ دیکھا۔

"نا نہیں!"

"مجھے سچ بولنے والی محمل پسند ہے۔"

"ہاں، شاید۔" اس نے اعتراف کرتے ہوئے پل بھر کو نگاہیں اٹھائیں۔ فرشتے ہنوز سنجیدہ تھی۔

"اور ہمایوں؟"

"ہمایوں؟" اس کے لب مسکرا دیے۔ "وہ کہتا ہے، وہ بیچ راہ میں چھوڑ دینے والوں میں سے نہیں ہے۔" وہ سر جھکائے مسکراتی ہوئی بیڈ شیٹ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ دوسری طرف دیر تک خاموشی چھائی رہی تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

فرشتے بالکل خاموش تھی۔ اس کے دل کو یونہی شک سا ہوا "کہیں فرشتے تو ہمایوں سے۔۔۔؟ آخر وہ دونوں ساتھ پلے بڑھے تھے۔" اس کا دل زور سے دھڑکا۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟"

"یہی کہ جب میں ہمایوں کے لیے تمہارا رشتہ لینے جاؤں گی تو کریم چچا مجھے شوٹ تو نہیں کر دیں گے؟ آخر میں ہمایوں کی بہن ہوئی نا!"

اور محمل کھلکھلا کر ہنس دی۔ سارے وہم، شک و شبے ہوا ہو گئے۔ فرشتے بھلا ایسی فیلنگز کیسے رکھ سکتی تھی؟ وہ عام لڑکیوں سے بہت مختلف تھی۔

"اچھا یہ دیکھو۔" اس نے کتاب میں سے ایک لفافہ نکالا۔ "ایک کنج انوی ٹیشن ہے۔ مجھے انوائیٹ کیا ہے نسیم آنٹی نے۔ وہ اماں کی ایک پرانی فرینڈ ہیں، ان ہی کے کلب میں ہے اس سنڈے کو۔ تم چلو گی۔۔؟"

"مگر ادھر کیا ہو گا؟"

"یہ تو مجھے نہیں پتہ۔ صرف لنچ ہے۔ آنٹی نے کہا اگر میں آجاؤں تو اچھا ہے، اماں کی کچھ پرانی فرینڈز سے بھی مل لوں گی۔ تم چلو گی؟"

"شیور!" وہ پورے دل سے مسکرائی، اور پھر کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلی آئی۔

☆ ☆ ☆

اتوار کی دوپہر وہ مقررہ وقت پہ مدرسے کے برآمدے میں کھڑی تھی۔ سیاہ عبایا میں ملبوس سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹے، وہ کھڑی بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی تھی۔ عبایا وہ اب کبھی کبھی باہر پہنتی تھی، ہاں نقاب نہیں کرتی تھی، صرف حجاب لے لیتی۔

دفعتاً اوپر سیڑھیوں پہ آہٹ ہوئی۔ محمل نے سر اٹھایا۔

فرشتے تیزی سے زینے اتر رہی تھی۔ ایک ہاتھ میں چابی پکڑے، دوسرے سے وہ پرس میں کچھ کھنگال رہی تھی۔

"السلام علیکم، تم پہنچ گئیں، چلو!" عجلت میں کہتے ہوئے اس نے پرس بند کیا، اور برآمدے کی سیڑھیاں اتر گئی۔ محمل اس کے پیچھے ہولی۔

"ہمایوں گھر میں ہی ہو گا، مل نہ لیں؟" وہ گیٹ کے باہر رک کر بولی تو محمل مسکرا دی۔

"شیور!"

وہ لاؤنج میں ہی تھا، صوفے پہ بیٹھے، پاؤں میز پہ رکھے، چند فائلز کا سرسری سا مطالعہ کر رہا تھا۔ انہیں آتے دیکھا تو فائلز رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"خوش آمدید!" فرشتے کے پیچھے آتی محمل کو دیکھ کر وہ مسکرا دیا تھا۔ اس کا چہرہ پہلے سے قدرے کمزور لگ رہا تھا مگر ہسپتال میں پڑے ہمایوں سے وہ خاصا بہتر تھا۔

"میں ہمایوں کو اتنے سالوں میں بھی السلام علیکم کہنا نہیں سکھا سکی، محمل! اور کبھی تو مجھے لگتا ہے میں اسے کچھ بھی نہ سکھا سکوں گی۔"

"اچھا بھئی۔ السلام علیکم۔" وہ ہنس دیا تھا۔

"بیٹھو۔"

وہ اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی مگر فرشتے کھڑی رہی۔

"نہیں ہمایوں ہمارے پاس بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔"

"مگر تمہاری بہن تو بیٹھ گئی ہے۔"

فرشتے نے مڑ کر محمل کو دیکھا جو آرام سے صوفے پہ بیٹھی تھی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Pakistanipoint.com

جائے تو وہ چیزیں اٹھا کر توڑ پھوڑ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ فرشتے بہت محتاط طریقے سے اس گھر میں رہ رہی تھی' جیسے اس کے ذہن میں تھا کہ اسے جلد ہی یہاں سے چلے جانا ہے۔ ملازمہ بلقیس نے اسے بتایا تھا کہ فرشتے اپنے پیسوں سے ماہانہ راشن کی چیزیں لے آتی تھی' خصوصاً" چکن اور گوشت' ہمیشہ وہ خود ہی خریدتی تھی۔ جب ہمایوں کو پتا چلا اور اس نے اسے روکنا چاہا تو فرشتے نے صاف کہہ دیا کہ اگر اس نے اسے روکا تو وہ واپس اسکاٹ لینڈ چلی جائے گی۔

نتیجتاً" ہمایوں خاموش ہو گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ان پہ بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی اور شاید اس کے ذہن میں یہ ہو کہ کہیں کوئی اسے مفت خورا نہ سمجھے۔ اپنی عزت نفس اور وقار کو اس نے ہمیشہ قائم رکھا تھا' محمل خود کو اس کا زیر بار محسوس کرنے لگی تھی۔

ہمایوں سے اس کی ملاقات نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی۔ وہ کبھی دوپہر میں گھر آتا تو کبھی رات کو۔ کھانا وہ اپنے کمرے میں کھاتا۔ اور پھر وہیں رہتا' اکثر بہت رات گئے گھر آتا۔ وہ انتظار میں لاؤنج میں وہیل چیئر پہ بیٹھی ہوتی۔ وہ آتا سرسری سا حال پوچھتا اور اوپر سیڑھیاں چڑھ جاتا اور وہ اس کی پشت کو نم آنکھوں سے دیکھتی رہ جاتی۔

تیمور دوپہر میں اسکول سے آتا تھا۔ وہ کھانا ڈائننگ ٹیبل پہ اکیلے کھاتا تھا۔ اگر محمل کو ادھر بیٹھے دیکھتا تو فوراً" واپس چلا جاتا' نتیجتاً" بلقیس اسے اس کے کمرے میں کھانا دے آتی۔ وہ جنک فوڈ کھاتا تھا۔ برگر پیٹیز کے ڈبوں سے فریزر اور فرنچ فرائیز کے لیے آلوؤں سے سبزی والی ٹوکری بھری رہتی۔ کھانے پینے کا وہ بہت شوقین نہ تھا۔ اسکول سے لائے چپس کے پیکٹس اور چاکلیٹس عموماً" کھاتا نظر آتا۔ شام کو ٹی وی لاؤنج میں کارٹون لگائے بیٹھا رہتا۔ اگر محمل کو آتے دیکھتا تو اٹھ کر چلا جاتا۔

وہ جان ہی نہ پا رہی تھی کہ وہ اتنا ناراض کس بات پر ہے؟ آخر اس نے کیا ہی کیا ہے؟

اس گھر کے وہ تینوں مکین اجنبیوں کی طرح رہ رہے تھے اور اب وہ چوتھی اجنبی ان کی اجنبیت بٹانے کو آ گئی تھی۔

فرشتے شام میں مدرسے جاتی تھی۔ وہ غالباً" اب شام میں کلاسز لے رہی تھی۔ محمل نے ایک دفعہ پوچھا تو وہ اداسی سے مسکرا دی تھی۔

"صبح کی کلاسز لینا اسپتال کی وجہ سے ممکن نہ تھا۔" مختصراً" بتا کر وہ حجاب درست کرتی باہر نکل گئی تھی۔

وہ محمل کا بہت خیال رکھتی تھی۔ اس کی دوا' مساج' مفلوج اعضاء کی ایکسرسائز' فزیوتھراپسٹ کے ساتھ اس پہ محنت کرنا' پھر غذا کا خیال' وہ انتھک لگی رہتی بلا کسی اجر کی تمنا کیے یا احسان جتائے۔

اس شام بھی فرشتے مدرسے گئی ہوئی تھی' جب سیاہ بادل آسمان پہ چھانے لگے۔ ہمایوں تو کبھی بھی شام میں گھر نہیں ہوتا تھا۔ تیمور جانے کہاں تھا۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر منظر دیکھ رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے دن میں رات کا سماں بندھ گیا بادل زور سے گرجنے لگے۔ موٹی موٹی بوندیں ٹپ ٹپ گرنے لگیں' بجلی کڑکتی تو ایک لمحے کو خوف ناک سی روشنی بکھر جاتی۔

اسے بارش سے پہلے کبھی ڈر نہیں لگا تھا۔ مگر آج لگ رہا تھا۔ ہمایوں نہیں تھا' فرشتے بھی نہیں تھی' اسے لگا وہ بہت اکیلی ہے' تنہا ہے۔

بجلی بار بار کڑک رہی تھی۔ ساتھ ہی اس کی دھڑکن بھی تیز ہو گئی تھی۔ بے اختیار اسے پسینہ آنے لگا' کیا کرے کیسے بلائے؟

وہ تیزی سے وہیل چیئر کے پہیے دونوں ہاتھوں سے چلاتی لاؤنج میں آئی۔ فون ایک طرف تپائی پہ دھرا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک چٹ بھی تھی جس پر ہمایوں اور فرشتے کے نمبر لکھے تھے۔ وہ غالباً" تیمور کے لیے لکھے گئے تھے۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا اور فرشتے کا نمبر ڈائل کیا' پھر ریسیور کان سے لگایا۔

گھنٹی جا رہی تھی' مگر وہ اٹھا نہ رہی تھی۔ غالباً" کلاس میں تھی۔ اس نے مایوسی سے فون رکھ دیا' تب ہی نگاہ دوبارہ اس چٹ پہ پڑی۔

کچھ سوچ کر اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ریسیور دوبارہ اٹھایا۔ نمبر ڈائل کرتے ہوئے اس کی انگلیاں لرز رہی تھیں۔

تیسری گھنٹی پہ ہمایوں نے ہیلو کہا تھا۔

"ہے... ہیلو... ہمایوں۔" وہ بمشکل بول پائی تھی۔

"کون؟"

"میں محمل۔"

دوسری جانب ایک لمحے کو سناٹا چھا گیا۔

"ہاں بولو۔" معروف' سرد مہری آواز ابھری۔

"آپ... آپ کدھر ہیں؟"

"پرابلم کیا ہے؟" قدرے بے زاری۔

"وہ... وہ باہر اسٹورم (طوفان) آ رہا ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے' پلیز آپ گھر آ جائیں۔" اس کا گلا رندھ گیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"اوہو۔ میں میٹنگ میں بیٹھا ہوں۔ ابھی کہاں سے آ جاؤں۔"

"مجھے نہیں پتا' پلیز آ جائیں' جیسے بھی ہو۔" باہر طوفان کا شور بڑھ رہا تھا' ساتھ ہی اس کے آنسوؤں میں شدت آ گئی تھی۔

"میں نہیں آ سکتا' فرشتے یا کسی ملازمہ کو بلا لو۔" وہ جھلایا تھا۔

"فرشتے گھر پہ نہیں ہے' آپ آ جائیں ہمایوں! پلیز۔"

"کیا بکواس ہے؟ اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم معذوری کا ڈرامہ رچا کر میری ہمدردی حاصل کر سکتی ہو تو اس خیال کو دل سے نکال دو اور مجھے میری زندگی جینے دو' خدا کے لیے اب پیچھا چھوڑ دو میرا۔" اور ٹھک سے فون بند ہو گیا۔

وہ سکتے کے عالم میں ریسیور ہاتھ میں لیے سن سی بیٹھی رہ گئی۔ کتنے لمحے گزرے' کتنے بادل گرجے' کتنی بجلی چمکی' کتنے قطرے برسے' وہ ہر شے سے غافل' بنا پلک جھپکے شل سی بیٹھی تھی۔ لب ادھ کھلے' آنکھیں پھٹی پھٹی اور ہاتھ میں پکڑا ریسیور کان سے لگا... وہ کوئی مجسمہ تھا جو ٹیلی فون اسٹینڈ کے ساتھ اس وہیل چیئر پہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔

پھر کتنی ہی دیر بعد ریسیور اس کے ہاتھ سے پھسلا اور نیچے لڑھک گیا۔ اس کے زمین سے ٹکرانے کی آواز پہ بے اختیار اس نے پلکیں جھپکیں اور آن کی آن میں اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ اس کی ہچکی بندھ گئی تھی اور پورا وجود لرز رہا تھا' وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

ہمایوں نے اسے وہ سب کہا تھا؟ اتنے غصے اور بے زاری سے' جیسے وہ اس سے اکتا چکا تھا۔ ہاں وہ مرد تھا۔ وجیہہ' شان دار سا مرد' کب تک ایک کوبے میں بے ہوش پڑی نیم مردہ بیوی کی پٹی سے لگا رہتا؟ اس کو اب محمل کی ضرورت نہ تھی۔ اسے اب محمل کے وجود سے بھی اکتاہٹ ہوتی تھی۔ شاید وہ اب اس سے شادی کرنے پہ پچھتا رہا تھا۔ اپنی وقتی جذباتیت پہ نادم تھا۔

دفعتاً" آہٹ پہ اس نے آنکھیں کھولیں۔

تیمور سامنے صوفے کے اس طرف کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ چبھتی' خاموش نگاہیں جن میں عجیب سا تنفر تھا۔

"تیمور!" اس کی زخمی مامتا بلبلائی۔ "ادھر میرے پاس آؤ بیٹا!" اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ شاید وہ اس کے گلے سے لگ جائے' شاید کہ ہمایوں کے رویے کی تپش کچھ کم پڑ جائے۔

"آئی ہیٹ یو۔" وہ تڑخ کر بولا اور اسے دیکھتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹا۔ ہمایوں کے الفاظ کیا کم تھے جو اوپر سے اس سات سالہ لڑکے کا انداز' اس کی روح تک چھلنی ہو گئی۔

"میں نے کیا' کیا ہے تیمور؟ تم ایسے کیوں کر رہے ہو میرے ساتھ؟ کیوں ناراض ہو مجھ سے؟"

"یو لیفٹ می وین آئی نیڈڈ یو۔" (آپ نے مجھے اس وقت چھوڑ دیا جب مجھے آپ کی ضرورت تھی۔)

وہ زور سے چیخا تھا۔ "آئی ہیٹ یو فار ایوری تھنگ۔"

اور مڑ کر بھاگتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لمحے بھر

FIAZ AHMED
Friends Forever

"بہن! اٹھو ہم بیٹھنے نہیں آئے۔"
محمل ایک دم گڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔
فرشتے ہمایوں کی طرف پلٹی۔
"ہم بس تمہارا حال پوچھنے آئے تھے۔ تم اب ٹھیک ہو؟"
"میں ٹھیک ہوں مگر بیٹھو تو سہی۔"
"نہیں۔ ہمیں لنچ پہ جانا ہے' نسیم آنٹی کی طرف۔ اماں کی کچھ فرینڈز سے بھی مل لیں گے۔"
"اور محمل؟" اس نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔
"محمل ظاہر ہے میری بہن ہے تو میرے ساتھ ہی رہے گی نا۔"
وہ بے اختیار مسکرا دیا۔ عبایا میں ملبوس وہ دونوں دراز قد لڑکیاں اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹے' دونوں کی ایک جیسی سنہری آنکھیں تھیں' یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان میں سے کون زیادہ خوبصورت تھی۔ ہاں فرشتے دو انچ زیادہ لمبی ضرور تھی۔ اس کے چہرے پہ ذرا سنجیدگی تھی' جبکہ محمل کے چہرے پہ کم عمری کی معصومیت برقرار تھی۔
اور یہ وہ محمل تو نہ تھی جس سے وہ پہلی بار اسی لاؤنج میں ملا تھا۔ سیاہ مقیش کی ساڑھی' چھوٹی آستینوں سے جھلکتے گداز بازو' اور اونچے جوڑے سے نکلتی گھنگھریالی لٹوں والی۔ اسے اس کا ایک ایک نقش یاد تھا۔ وہ کوئی اور محمل تھی' اور یہ عبایا اور حجاب والی کوئی اور تھی۔
"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"
"یہی کہ تم نے محمل کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔"
"یہ میرا رنگ نہیں ہے' یہ صبغت اللہ ہے' اور اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہو سکتا ہے' چلو محمل۔ اوکے ہمایوں! اپنا خیال رکھنا۔ السلام علیکم۔" وہ محمل کا بازو تھامے مڑی ہی تھی کہ وہ پکار اٹھا۔
"سنو فرشتے!"
"ہاں!" وہ دونوں ساتھ ہی پلٹیں۔
"تم بہت بولتی ہو' اور تم نے محمل کو ایک لفظ بھی نہیں بولنے دیا۔ تمہیں معلوم ہے؟"
"مجھے معلوم ہے اور تم نے ساری عمر تو اسی کو سننا ہے' یہ کم ہے کہ میں نے تمہیں اس سے ملوا دیا ہے؟ مگر نہیں' بے شک انسان بہت ناشکرا ہے' چلو محمل!" وہ محمل کو بازو سے تھامے اسی طرح عجلت میں واپس لے گئی۔ اور وہ حیرتوں میں گھرا کھڑا رہ گیا۔
پھر سر جھٹک کر مسکرا دیا تھا۔ "یہ فرشتے کو کس نے بتایا؟"

☼ ☼ ☼

اس گول میز کے گرد وہ دونوں اپنی نشستوں پہ بور سی بیٹھی تھیں۔
باقی کرسیوں پہ آنٹی ٹائپ چند خواتین جلوہ افروز تھیں۔ محمل بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھتی۔ وہ واقعی بہت بور ہو رہی تھی۔
فرشتے ہی تھی جو اپنے ساتھ بیٹھی نسیم آنٹی سے کوئی نہ کوئی بات کر لیتی' ورنہ وہ تو مسلسل جمائی روکتی بے زاری سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔
"اس ملک میں عورتوں کو وہ حقوق حاصل نہیں جو مردوں کو ہیں۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسز رضی کی طرف متوجہ ہو گئی جو ناک چڑھائے اپنا انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ ہلا کر کہہ رہی تھیں۔
"اور یہ اس صدی کی سب سے بے وقوفانہ بات ہے اگر کوئی کہے کہ مرد عورت سے برتر ہے۔ میں تو نہیں مانتی ایسی کسی بات کو!"
"بالکل!" وہ سب غرور و تفاخر میں ڈوبی عورتیں ایک دوسرے کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں۔ محمل کا پرس میز پہ رکھا تھا۔ اس نے اس کو اٹھا کر گود میں رکھا' پھر اندر سے اپنا سفید کور والا قرآن نکالا جو وہ ہمیشہ ساتھ رکھتی تھی۔
"یہ سب جہالت کی باتیں ہیں مسز رضی' جب تک اس ملک میں تعلیم عام نہیں ہوتی لوگ عورت اور مرد کے برابر حقوق تسلیم نہ کر سکیں گے۔"

"اور نہیں تو کیا' اسی قدامت پرستی کی وجہ سے ہم آج یہاں ہیں اور دنیا چاند پہ پہنچ گئی ہے۔"
اس نے سر اٹھایا۔ اور ذرا سا کھنکاری۔
"مجھے آپ لوگوں سے اتفاق نہیں ہے۔"
تمام خواتین چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔
"اور میرے پاس اس کے لیے دلیل بھی ہے۔ یہ دیکھیں۔" اس نے گود میں رکھا قرآن اوپر کیا "ادھر سورہ نساء میں۔"
"نہیں' پلیز!"
"اف نہیں! ناٹ اگین۔"
"oh please' don't open it"
دبلی جلی ناگوار' مضطرب سی آوازوں پہ وہ رک کر نا سمجھی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگی۔
"جی؟"
"خدا کے لیے اس کو مت کھولیں۔"
وہ کہہ رہی تھیں اور وہ حق دق بیٹھی رہ گئی۔
یہ مسلمان عورتیں تھیں؟ یہ واقعی مسلمان عورتیں تھیں؟ ان کو آسمانی کتابوں پہ ایمان نہ تھا؟ یہ قرآن کو نہیں سننا چاہتی تھیں' اس اللہ کی بات نہیں سننا چاہتی تھیں جس نے ان کو ان کا مال اور حسن دیا تھا۔؟ جو چاہتا تو ان کی سانسیں روک دیتا' ان کے دل بند کر دیتا۔ مگر اس نے ان کو ہر نعمت دے رکھی تھی' پھر بھی وہ اس کی بات نہیں سننا چاہتی تھیں؟
"یہ تو قرآن کی آیت ہے' اللہ کا کلام ہے' آپ سنیں تو سہی' یہ تو۔" اس نے کہنا چاہا۔
"پلیز' آپ ہماری ڈسکشن میں مخل نہ ہوں۔"
اور وہ خاموش ہو گئی۔ اتنی ہٹ دھرمی' شاید وہ بدنصیب عورتیں تھیں' جن کو اللہ اپنی بات سنوانا پسند نہیں کرتا تھا اور ہر وہ شخص جو روز قرآن نہیں پڑھتا' وہ بدنصیب ہوتا ہے اللہ اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔
پھر وہ ادھر نہیں بیٹھی' تیزی سے اٹھی' قرآن بیگ میں رکھا اور فرشتے سے "میں گھر جا رہی ہوں" کہہ کر بغیر کچھ سنے وہاں سے چلی آئی' اس کا دل جیسے درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ آنسو ابلنے کو بے تاب تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیسے اس غم کو قابو کرے' کیسے۔ کیسے مسلمان ہو کر وہ یہ سب کہہ سکتی تھیں؟ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔
دل بہت بھر آیا تو آنسو بہہ پڑے' وہ چہرہ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ سڑک کے ایک طرف درخت پیچھے کو بھاگ رہے تھے۔ گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا جسے وہ ساتھ لے کر آئی تھی۔ تائی مہتاب کی بہو بننے پہ یہ اعزاز تو اسے ملنا ہی تھا اور روک ٹوک بھی قدرے کم ہو گئی تھی مگر ابھی وہ ان باتوں کو نہیں سوچ رہی تھی' اس کا دل تو ان عورتوں کے رویے پہ اٹک سا گیا تھا۔ اسے لگا۔
ایک دم گاڑی جھٹکے سے رکی۔ وہ چونک کر آگے دیکھنے لگی۔
"کیا ہوا؟"
"بی بی! گاڑی گرم ہو گئی ہے' شاید ریڈی ایٹر میں پانی کم ہے' میں دیکھنا بھول گیا تھا۔ ڈرائیور پریشانی سے کہتا باہر نکلا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔
سڑک قدرے سنسان تھی گو کہ وقفے وقفے سے گاڑیاں گزرتی دکھائی دیتی تھیں مگر ارد گرد آبادی کم تھی۔ وہ کوئی انڈسٹریل ایریا تھا۔ بہت دور اونچی عمارتیں دکھائی دیتی تھیں۔ ڈرائیور بونٹ کھول کر چیک کرنے لگ گیا تو وہ سر سیٹ سے ٹکائے' آنکھیں موندے انتظار کرنے لگی۔
"بی بی!" تھوڑی دیر بعد اس کی کھڑکی کا شیشہ بجا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ باہر ڈرائیور کھڑا تھا۔
"کیا ہوا؟" اس نے شیشہ نیچے کیا۔
"انجن گرم ہو گیا ہے' میں کہیں سے پانی لے کر آتا ہوں' آپ اندر سے سارے دروازے لاک کر لیں' مجھے شاید تھوڑی دیر لگ جائے۔"
"ہوں۔ ٹھیک ہے جاؤ۔" اس نے شیشہ چڑھایا'

Scan & PDF FIAZ AHMED

بعد اس نے زوردار آواز سے تیمور کے کمرے کے دروازہ کو بند ہوتے سنا۔

"کیا تمہیں چھوڑنے میں میرا اپنا اختیار تھا تیمور؟ تم اتنی سی بات پہ مجھ سے ناراض نہیں ہوسکتے۔ شاید تمہارے باپ نے تمہیں مجھ سے بدظن کیا ہے۔" وہ دکھی دل سے سوچتی واپس کمرے تک آئی تھی۔ اس کے ripple بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ سیاہ کور والا قرآن رکھا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ سے اسے اٹھایا اور دونوں ہاتھوں میں تھامے اپنے سامنے کیا۔

سیاہ کور پہ مدھم سا مٹا مٹا سا "م" لکھا تھا۔ جانے اس نے کیوں اور کب ادھر لکھا تھا؟ وہ کوشش کے باوجود یاد نہ کرپائی، پھر سر جھٹک کر اسے وہاں سے کھولا جہاں سے فجر کے بعد تلاوت چھوڑی تھی۔ اس نے وہ آیت دیکھی جہاں بک مارک لگا تھا، پھر تعوذ و تسمیہ پڑھا اور اگلی آیت سے پڑھنا شروع کیا۔

"ہم جانتے ہیں کہ تمہیں ان کی بات غمگین کرتی ہے۔"

اس نے بے یقینی سے اس آیت کو دیکھا۔

"ہم جانتے ہیں کہ تمہیں ان کی بات غمگین کرتی ہے، پس بے شک وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، بلکہ وہ ظالم تو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں۔" اس نے پھر سے پڑھا اور پھر دم بخود سی ہو کر ایک ایک حرف کو انگلی سے چھونے لگی۔ کیا وہ واقعی ادھر لکھا تھا؟

"اوہ اللہ تعالیٰ۔" اس کے آنسو پھر سے گرنے لگے تھے۔ "آپ کو... آپ کو ہمیشہ پتا چل جاتا ہے، میں... میں کبھی بھی آپ سے کچھ نہیں چھپا سکتی۔" وہ بری طرح رو دی تھی۔ اب کی بار یہ دکھ کے آنسو نہ تھے، بلکہ خوشی کے تھے۔ سکون کے تھے، رضا کے تھے۔

"اگر آپ مجھ سے یوں ہی بات کرتے رہیں تو پھر مجھے جس حال میں بھی رکھیں، میں راضی! میں راضی! میں راضی!" اس نے چہرہ اٹھایا اور ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

اب اسے رونا نہیں تھا۔ اب اسے صبر کرنا تھا، طائف کے پتھر دراصل اب لگنے شروع ہوئے تھے۔

صبر اور شکر۔ اس نے ان دو سہاروں کو بالآخر تھام ہی لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

شام بہت سہانی سی اتری تھی۔ کالونی کی صاف سڑک کے اطراف سبز درختوں کے تازہ پتوں کی مہک، ٹھنڈی ہوا سے ہر سُو بکھر گئی تھی۔

بلقیس اس کی وہیل چیئر دھکیلتی سڑک کے کنارے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر کی چھوٹی موٹی باتیں بھی کر رہی تھی۔ مگر محمل کا دھیان کہیں اور تھا۔ وہ گم صم سی دور افق کو دیکھ رہی تھی، جہاں پرندوں کے غول اڑ رہے تھے۔ اس روز کے طوفان کے بعد موسم بہت ٹھنڈا ہو گیا تھا اور اس ٹھنڈی ہوا میں باہر نکلنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

بلقیس اس کی وہیل چیئر دھکیلتی دور پارک تک لے آئی تھی۔ اس سے آگے ان کے سیکٹر کا مرکز تھا۔ وہاں بوتیکس، شاپس اور ریسٹورنٹ کی چہل پہل ہوتی تھی اور ایسی جگہوں پہ جاتے ہوئے اس کا دل گھبراتا تھا سو اس نے بلقیس کو آگے جانے سے منع کر دیا۔

"بس یہیں پارک تک ٹھیک ہے، اسی میں چلتے ہیں۔"

بلقیس سر ہلا کر وہیل چیئر اندر لے جانے لگی۔

"جب آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا نا محمل بی بی تو صاحب بہت روئے تھے۔ میں نے خود انہیں روتے دیکھا تھا۔ بہت دھچکا لگا تھا ان کو۔"

"کون؟ ہمایوں؟" وہ چونکی تھی۔

"ہاں جی! انہوں نے چھٹی لے لی تھی، کئی ماہ تو وہ اسپتال میں آپ کے پاس ہی رہے تھے۔ تیمور بابا کو تو بھلا ہی دیا تھا، میں نے بڑا کیا ہے جی تیمور بابا کو۔ بڑا پیارا بچہ تھا ہمارا بابا، جب چار سال کا تھا تو آپ کے لیے پھول لے کر جاتا تھا، اور وہاں اسپتال میں آپ کے سرہانے بیٹھ کر گھنٹوں بولا کرتا تھا۔"

"پھر اب کیا ہوا ہے اسے بلقیس؟" اس نے دکھ سے پوچھا تھا۔ بلقیس آہستہ آہستہ پارک کی پتھریلی روش پہ وہیل چیئر چلا رہی تھی۔ دور گھاس پہ بچے کھیل رہے تھے۔ ایک طرف ایک بچہ ماں کی انگلی پکڑے رو رہا تھا۔ اسے ہر بچے میں اپنا تیمور نظر آرہا تھا۔

"تیمور بابا ایسا نہیں تھا بی بی! وہ تو بہت پیار کرنے والا بچہ تھا، مگر پھر اب پچھلے دو، ایک سالوں میں وہ بہت چڑچڑا ہو گیا ہے۔ صاحب بھی تو اسے توجہ نہیں دیتے، پہلے تو چھوٹا تھا، پر اب بہت سمجھ دار ہو گیا ہے، ساری باتیں سمجھتا ہے، اسی لیے سب سے ناراض رہتا ہے۔"

"اور تمہارے صاحب؟ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟"

"پتا نہیں بی بی! وہ شروع میں آپ کا بہت خیال رکھتے تھے، پھر آپ کے حادثے کے چوتھے برس ان کی کراچی پوسٹنگ ہو گئی تھی۔ وہ سوا سال اُدھر رہے۔ وہاں سے واپس آئے تو بہت بدل گئے تھے جی۔ اب تو ڈیڑھ سال ہو گیا ہے ان کو واپس آئے ہوئے، مگر اب تو وہ آپ کا یا تیمور بابا کا حال بھی نہیں پوچھتے۔"

"کراچی میں ایسا کیا ہوا جو وہ بدل گئے؟" وہ کھوئی کھوئی سی بولی تھی۔

"معلوم نہیں بی بی، مگر..." وہ لمحے بھر کو ہچکچائی۔ "ان کے کراچی جانے سے کوئی دو ہفتے پہلے مجھے یاد ہے، ادھر آپ کے گھر آپ کے کوئی رشتے دار آئے تھے، ان سے بہت... بہت لڑائی ہوئی تھی صاحب کی۔"

"کون؟ کون آیا تھا؟" اس نے وحشت زدہ سی ہو کر گردن گھمائی۔ بلقیس کے چہرے پہ تذبذب کے آثار تھے۔

"اصل میں بی بی! آپ کے رشتے دار کبھی آئے نہیں، تو وہ جو بس ایک ہی دفعہ آئے تو مجھے یاد رہ گیا، آپ کے تایا کے بیٹے تھے۔"

"کون؟ فو... فواد؟" اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"نام وام تو نہیں معلوم، مگر صاحب نے ان سے بہت جھگڑا کیا تھا۔ دونوں بہت دیر تک اونچا اونچا لڑتے رہے تھے۔"

"مگر کیا ہوا تھا؟ جھگڑا کیوں ہوا ان کا؟" وہ مضطرب اور بے چین سی ہو گئی تھی۔

"میں کچن میں تھی بی بی! کچھ سمجھ میں تو نہیں آیا کہ وہ کیوں جھگڑ رہے تھے، مگر شاید کوئی کچہری وغیرہ کا معاملہ تھا اور دونوں آپ کا نام بار بار لیتے تھے، پھر صاحب نے فرشتے بی بی کو بھی ادھر بلوا لیا۔ وہ پتا نہیں کچھ بولیں یا نہیں، ان کی آواز ہی نہیں آئی مجھے، پھر وہ آپ کے تایا زاد چلے گئے اور صاحب دیر تک فرشتے بی بی پہ چیختے رہے، میں کھانے کا پوچھنے گئی تو دیکھا کہ فرشتے بی بی رو رہی تھیں اور اپنا سامان پیک کر رہی تھیں۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ جا رہی ہیں، میں نے پوچھا کہ کدھر تو بولیں، پتا نہیں اور روتی جا رہی تھیں، پھر اگلے دن رشید نے بتایا کہ صاحب اپنا ٹرانسفر کراچی کروا رہے ہیں، پھر صاحب چلے گئے اور فرشتے بی بی رک گئیں۔"

وہ دم سادھے ساری تفصیلات سن رہی تھی۔ اس کے پیچھے کیا، کیا ہوتا رہا، اسے خبر ہی نہیں ہو سکی۔ کیا فواد نے ہمایوں کو اس کے خلاف بہکایا تھا؟ اور فرشتے کو اس نے ایسی کیا بات کہی کہ وہ روئی؟ وہ تو بہت مضبوط لڑکی تھی، یوں کبھی نہیں روتی تھی۔ اس نے تو اس کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں دیکھے تھے۔ "اوہ خدایا" اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

وہ کیا کرے؟ کس سے پوچھے؟ فرشتے تو کبھی نہ بتاتی۔ ہمایوں سے امید بھی نہیں تھی اور تیمور تو اسے دیکھنے کا روادار نہ تھا، پھر؟ کیا کرے؟ صبر اور نماز کا سہارا۔ اس کے دل سے آواز اٹھی تھی۔

بلقیس کو کوئی جاننے والی مل گئی تو وہ اس سے باتیں بگھارنے ذرا فاصلے پہ جا کھڑی ہوئی تھی۔

محمل نے قرآن اٹھا لیا، وہ قرآن لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتی تھی اسے آہستہ سے کھولا۔ کل جدھر سے تلاوت چھوڑی تھی، ان آیات پہ نشان لگا تھا۔ وہ بہت غور سے، دھیان سے آگے سے پڑھنے لگی۔

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان چیزوں کے

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

سارے لاک بند کیے اور چہرے پہ حجاب کا ایک پلو گرا کر آنکھیں پھر سے موند لیں' ادھیڑ عمر ڈرائیور چھ سات برس سے ان کے ہاں ملازمت کر رہا تھا' اور خاصا شریف النفس انسان تھا سو وہ مطمئن تھی۔

وہ گرمیوں کی دوپہر تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں گاڑی حبس زدہ ہوگئی۔ گھٹن اور حبس اتنا شدید تھا کہ اس نے شیشہ کھول دیا۔ ذرا سی ہوا اندر آئی' مگر گاڑی کے ساکن ہونے کے باعث ماحول پہلے سے زیادہ گرم ہوگیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں پسینہ پسینہ ہوگئی۔ بے اختیار سیٹ پہ تہہ کر کے رکھا دوپٹہ اٹھایا اور اس سے ہوا جھلنے لگی۔ گرمی اتنی شدید تھی کہ اسے لگا وہ بھٹی میں جل رہی ہے۔

کافی دیر گزر گئی مگر ڈرائیور کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ بے اختیار وہ سورہ طلاق کی تیسری آیت آخر سے پڑھنے لگی۔ "جو اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ اس کے لیے راستہ بنا ہی دیتا ہے۔"

ڈیڑھ گھنٹے سے اوپر ہونے کو آیا تھا' وہ گرمی سے نڈھال' پسینے میں شرابور کتنی ہی دیر سے دعا کر رہی تھی مگر جانے کیوں آج کوئی راستہ نہیں کھل رہا تھا۔ پھر جب سورج سر پہ پہنچ گیا اور باہر سے آتی دھوپ و گرمی میں اضافہ ہوتا چلا گیا تو اس نے گھبرا کر شیشے بند کردیے۔

اور پھر سے وہی ہوا' گھٹن زدہ اور حبس زدہ بند گاڑی جیسے بند ڈبہ ہو یا بند قبر۔ یا سمندر کی تہہ میں تیرتی کسی مچھلی کا پیٹ!

"مچھلی کا پیٹ؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ میرے دل میں کیسے خیال آیا کہ یہ مچھلی کا پیٹ ہے؟" وہ الجھی' اور پھر سے اسے وہ کلب کی عورتیں یاد آئیں اور ان کا وہ گھمنڈی رویہ! اس کے خیال کی رو بھٹکنے لگی۔ پتہ نہیں وہ کیوں اس رب کی بات نہیں سننا چاہتی تھیں جس کے ہاتھ میں ان کی سانسیں ہیں' اگر وہ چاہے تو ان منکرین کی سانسیں روک دے' مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔

"کیوں؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ اس کی آواز بند شیشوں سے ٹکرا کر پلٹ آئی۔

باہر فضا صاف دکھائی دے رہی تھی۔ دور سے جھلکتی اونچی عمارتیں' ان کے اوپر آسمان' جہاں سے پرندے اڑتے ہوئے گزرتے تھے' یہ عمارتیں' یہ آسمان زمین' یہ اڑتے پرندے' یہ زمین کو روندتے ہوئے چلتے متکبر لوگ' وہ سب زندہ تھے۔ ان کی سانسیں اپنے "انکار" کے باوجود نہیں رکتی تھیں۔ کیوں؟

"کیونکہ ان کی سانس ان کو ملی مہلت کی علامت ہے محمل بی بی! کسی کے گناہ کتنے ہی شدید ہوں' اگر سانس باقی ہے تو امید ہے' شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔ وہ رب تو ان نافرمانوں سے مایوس نہیں ہوا' پھر تم کیوں ہو؟" کوئی اس کے اندر بولا تھا۔

وہ جیسے سناٹے میں آگئی۔

کتنی جلدی وہ نہ ماننے والوں سے مایوس ہوگئی؟ "ان" پہ کڑھنے لگی؟' پھر کیوں وہ کسی کی ہٹ دھرمی دیکھ کر یہ فرض کر بیٹھی کہ وہ کبھی بدل نہیں سکتیں کیوں اس نے مایوس ہو کر بستی چھوڑ دی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ بے اختیار اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"نہیں کوئی الٰہ تیرے سوا' پاک ہے تو' بے شک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔"

ندامت کے آنسو اس کے گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔ اسے بستی نہیں چھوڑنی چاہیے تھی۔ اگر کچھ لوگ قرآن نہیں سننا چاہتے تو کوئی تو ہوگا جو اسے سننا چاہے گا۔ خود وہ کیا تھی؟ قرآن کو اس روز چھت پہ کھولتے ہی بدک اٹھنے والی' آج کدھر تھی! صرف اس سیاہ فام لڑکی کی ذرا سی کوشش' ذرا سے تجسس کو بھڑکانے والے عمل سے وہ کسی نہ کسی طرح آج ادھر پہنچ گئی تھی کہ اللہ اس سے بات کرتا تھا' پھر اپنی پارسائی پہ غرور اور دوسرے کی تحقیر کیسی؟

اس کے آنسو ابھی بہہ ہی رہے تھے کہ ڈرائیور

Decora by Hankies Tissues
... absorbent
..... elegant
..... & luxury
Soaks up excess oil
Adds elegance
Decora Hankies • KITCHEN TOWELS Luxury Size
Hankies
Customer Service
hankieshhp@yahoo.com,
freedomhhp@yahoo.com
H&HP Health & Hygiene Products
Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

بارے میں سوال نہ کرو جو اگر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔" (مائدہ 10)

لمحے بھر کو اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ مگر پھر فوراً" خود کو سرزنش کی۔

"یہ کوئی فال نکالنے کی کتاب تو نہیں ہے' اسی لیے اس نے تمہیں ایسے سوال کرنے سے منع کیا ہے' میں بھی خوامخواہ۔" وہ سر جھٹک کر آہستہ سے آگے تلاوت کرنے لگی۔

اگلی آیات دوسری چیزوں سے متعلق تھیں۔ اس کی سوچوں پہ بالکل خاموش لب ۔۔۔ یہ کسی اور طرف توجہ مبذول کرواتیں۔۔۔ اس کے الجھے دماغ کو سکون آنے لگا۔ جو بھی ہوا' کبھی نہ کبھی کھل ہی جائے گا' اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔

وہ زیر لب ترنم سے تلاوت کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

رات کے دو بج چکے تھے اور ہمایوں ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ وہ مضطرب سی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ بار بار دیوار پہ آویزاں گھڑی کو دیکھتی اور پھر دروازے کو۔ گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھتی جارہی تھیں۔ مگر دروازہ ہنوز ساکت و جامد تھا۔ باہر بھی خاموشی تھی۔

اس کے دل میں وسوسے سے آنے لگے۔ نہ جانے وہ ٹھیک بھی ہے یا نہیں' کیا پتا اس کی گاڑی خراب ہوگئی ہو' کیا پتا کسی مشکل میں پھنس گیا ہو۔ اس نے بے اختیار اس کے لیے دعا کی تھی۔

دفعتاً" گاڑی کا ہارن سنائی دیا اور پھر گیٹ کھلنے کی آواز' وہ مڑ کر دروازہ کو پیاسی نظروں سے دیکھنے لگی۔

قدموں کی آواز اور پھر۔۔۔ بھاری چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھلا' کیپ اور اسٹک ہاتھ میں لیے وہ تھکا تھکا سا یونیفارم میں چلا آرہا تھا۔ اندر داخل ہو کر اس نے مڑ کر دروازہ بند کیا اور پھر چند قدم آگے آیا۔

دفعتاً" اسے بیٹھا دیکھ کر ہمایوں کے قدم تھمے۔ چہرے پہ حیرت بھری ناگواری امڈ آئی۔

"تم اِدھر کیوں بیٹھی ہو؟"

"السلام علیکم' آپ کا ویٹ کر رہی تھی۔ آپ نے بہت دیر لگادی۔" وہ آہستہ سے بولی تھی۔

"میں دیر سے آؤں یا جلدی آؤں' خدا کے لیے میرے انتظار میں ادھر مت بیٹھا کرو۔"

اس نے بہت تحمل سے اس کا بیزار لہجہ سنا' پھر دھیرے سے بولی۔ "میں پریشان ہوگئی تھی کہ خیریت۔۔۔"

"مر نہیں گیا تھا میں' سو کام ہوتے ہیں' اگر آئندہ تم مجھے ادھر بیٹھی ملیں تو میں گھر ہی نہیں آیا کروں گا۔ خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو محمل!" وہ جھڑک کر کہتا تیزی سے اوپر سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

اس نے بڑے صبر و ضبط سے آنسو پی لیے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دروازے کے پیچھے گم ہوگیا۔ تب اس نے گود میں دھرے ہاتھ اٹھائے اور اپنی وہیل چیئر کو کمرے کی طرف موڑنے لگی۔

کبھی تو اسے احساس ہوگا کہ یہ وہ ہی محمل ہے جو کبھی اس کی من چاہی بیوی تھی اور جب وہ یہ محسوس کرے گا تو پلٹ آئے گا۔ اسے یقین تھا اور یہ ہی یقین اس نے دل میں اٹھتے درد کو دلاکر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ تارکول کی سڑک پہ آج پھر بلقیس کے ساتھ اپنی وہیل چیئر پہ جارہی تھی۔ باہر کا موسم اس کی طبیعت پہ بہت اچھا اثر ڈالتا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اس کی معذوری میں رتی برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔

بلقیس ادھر ادھر کی باتیں کرتی اس کی وہیل چیئر دھکیل رہی تھی۔ وہ آج بھی اسے نہیں سن رہی تھی' بس خاموش مگر پرسکون نگاہوں سے دور افق کو دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ ٹھہراؤ اس کی شخصیت کا حصہ بنتا جارہا تھا۔

"بلقیس۔۔۔ تمہیں میرے تایا کے گھر کا پتا ہے؟" ایک دم ہی کسی خیال کے تحت وہ چونکی اور پھر پوچھ لیا۔

"نہ بی بی! میں تو ادھر کبھی نہیں گئی۔"

"اچھا۔۔۔ مگر مجھے راستہ یاد ہے' تم مجھے ادھر لے چلو

گی؟"

"پیدل؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں زیادہ دور نہیں ہے' جتنا فاصلہ یہاں سے مرکز تک کا ہے اتنا ہی ہے' میں پیدل بھی آجایا کرتی تھی۔"

اسے بے اختیار وہ شام یاد آئی جب وسیم سے اپنے رشتے کا سن کر وہ روتی ہوئی پیدل ہی مدرسے کے سامنے سڑک پہ آگئی تھی' اور اس نے ہمایوں سے کہا تھا کہ وہ بیچ راہ میں چھوڑ دینے والوں میں سے نہیں ہے اور پھر۔۔۔

"چلیں پھر ٹھیک ہے' آپ راستہ بتائیں۔" بلقیس کی آواز پہ وہ یادوں کے ہجوم سے نکلی اور راستہ بتانے لگی۔ چھوٹی سڑک سے ایک راستہ پل سے ہوتا ہوا ان کے سیکٹر میں جاتا تھا' جس سے وہ بیس منٹ میں ادھر پہنچ سکتی تھیں۔

آج وہ بیس منٹ ایک پوری صدی لگ رہے تھے۔ وہ اس راستے پہ جاتے ہی دور کہیں کھو گئی تھی۔ نہ جانے وہ سب کیسے ہوں گے؟ اتنے ہی عیش و آرام سے رہ رہے ہوں گے جتنے پہلے تھے؟ کیا ان میں سے کسی نے اس کو یاد بھی کیا ہوگا؟ کبھی وہ اسپتال بھی آئے ہوں گے یا نہیں؟ اور نہ جانے فواد نے جاکر ہمایوں سے کیا کہا تھا جس پہ فرشتے روتی رہی؟ بہت یاد کرنے پہ بھی ایسی کوئی بات ذہن میں نہیں آئی جو وہ ہمایوں سے یوں کہہ سکتا تھا یا شاید اس کی سوچنے کی صلاحیت اب سست ہوتی جارہی تھی۔

"یہ آپ کا گھر ہے جی؟ بڑا سوہنا ہے۔"

بلقیس کہہ رہی تھی اور وہ چونک کر اس اونچے عالیشان محل نما گھر کو دیکھنے لگی اس کا پینٹ' کھڑکیوں کے شیشے اور بیرونی گیٹ بدل گیا تھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہوگیا تھا۔

یہ وہ گھر تھا جہاں اس نے اپنی زندگی کے اکیس سال گزارے تھے اور پھر اسی سے وہ ایک رات نکالی گئی تھی۔ بظاہر رخصتی کی آڑ میں اسے اس گھر سے بے دخل کردیا گیا تھا۔

"بیل بجاؤ بلقیس!"

بلقیس آگے بڑھی اور گھنٹی بجائی۔ چند ہی لمحوں بعد قدموں کی چاپ سنائی دی' جیسے کوئی دوڑتا ہوا گیٹ کھولنے آرہا ہو۔ اس کے دل کی دھڑکن ٹھہر سی گئی۔ وہ اتنے سالوں بعد کسے دیکھنے جارہی تھی؟ فواد؟ حسن؟ آغا جان؟

دروازہ آہستہ سے کھلا اور کسی نے سر باہر نکال کر دیکھا۔

"جی کس سے ملنا ہے؟" وہ جلبے اور لہجے سے ملازم لگتا تھا۔

بلقیس نے جواباً" محمل کو دیکھا تو وہ ہمت مجتمع کر کے بولی۔

"آغا کریم گھر پہ ہیں؟"

ملازم کے چہرے پہ ذرا سی الجھن ابھری۔

"کون آغا کریم؟"

"آغا۔۔۔ آغا کریم جو اس گھر کے مالک ہیں' جن کا یہ گھر ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور یہ ہاؤس نمبر ٹو تھرٹی ہے نا؟"

"آہو جی یہ ٹو تھرٹی ہے' مگر یہ تو چوہدری نذیر صاحب کی کوٹھی ہے۔ اِدھر تو کوئی آغا کریم نہیں رہتے۔"

"جی بی بی کہیں ہم غلط گھر میں تو نہیں آگئے؟" بلقیس نے ہولے سے کہا تو اس نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں' یہ ہی گھر ہے' آغا کریم سات سال پہلے اِدھر ہی رہتے تھے۔"

"سات سال تو بڑا لمبا عرصہ ہوتا ہے میڈم جی' خدا جانے وہ اب کدھر گئے ہوں۔ اچھا آپ ٹھہرو' میں بیگم صاحبہ سے پوچھ کر آتا ہوں۔" وہ انہیں وہیں چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد اس کی واپسی ایک نوجوان کے ہمراہ ہوئی۔

"جی فرمائیے؟" وہ بیس اکیس برس کا مہذب اور شائستہ سا نوجوان تھا۔

"وہ۔۔۔ ادھر آغا کریم اور ان کی فیملی رہتی تھی۔ وہ لوگ کدھر گئے؟"

"میم! ہم دو سال سے ادھر رہ رہے ہیں' دو سال پہلے ہم نے ایک شیخ عامر صاحب سے یہ گھر خریدا تھا۔ ہو سکتا ہے ان کو آغا کریم نے یہ بیچا ہو' مگر میں ان کے

FIAZ AHMED
Pksociety.com

سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں پانی کی بوتلیں تھیں۔

"اور جو اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ اس کے لیے راستہ نکال ہی دیتا ہے۔"

بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ اسے لگا اس کی توبہ شاید قبول ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا' ایمان اور تقویٰ بھی سانپ سیڑھی کے کھیل کی طرح ہوتا ہے' ایک صحیح قدم کسی معراج پر پہنچا دیتا ہے تو دوسرا غلط قدم گہری کھائی میں' اس نے بے ساختہ سوچا تھا۔

گاڑی گھر کے سامنے رکی' اور ڈرائیور نے ہارن بجایا۔ چوکیدار گیٹ کھول ہی رہا تھا جب اس کی نگاہ ساتھ والے بنگلے پہ پڑی۔

"تم جاؤ' میں آتی ہوں۔" وہ سبک رفتاری سے باہر نکلی۔

بریگیڈیئر صاحب کا چوکیدار وہیں گیٹ پہ کھڑا تھا۔ اس نے فوراً" بیگ کنگھالا۔

"سنو' یہ اپنے صاحب کو دے دینا۔" اور چند پمفلٹس نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ "ان سے کہنا یہ امانت ہے' چاہے تو پڑھ لیں' کوئی دباؤ نہیں' مگر میں واپس ضرور لینے آؤں گی۔ پکڑ لو نا۔" متذبذب کھڑے چوکیدار کو پمفلٹس زبردستی تھمائے اور واپس گھر کی جانب ہو لی۔

کوئی تو ہو گا جو اسے سننا چاہے گا۔ آج نہیں۔ کل نہیں مگر کبھی تو وہ ان پمفلٹس کو کھولیں گے۔

☆ ☆ ☆

کاریڈور میں لگا سافٹ بورڈ آج کچھ زیادہ ہی چمک رہا تھا یا شاید وہ اس کیلی گرافی کے کناروں پہ لگی افشاں کی چمک تھی جو سافٹ بورڈ کے وسط میں آویزاں تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دیوار کے قریب آئی۔ کیلی گرافی بہت خوبصورت تھی۔ اس پہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات کے موقع پر کہے گئے الفاظ رقم تھے۔ وہ گردن اٹھائے ان الفاظ کو پڑھنے لگی۔

"عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا" "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آپ بھی روتے ہیں؟" آپ نے فرمایا "اے ابن عوف! یہ رحمت اور شفقت ہے۔" اور آپ پھر سے رو پڑے اور فرمایا۔

"بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے' اور دل غمگین ہے' لیکن ہم زبان سے وہی بات نکالیں گے جس پہ ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم! بے شک ہم تیری جدائی پہ بہت غم زدہ ہیں۔"

وہ مسحور سی اسی طرح گردن اونچی اٹھائے کھڑی وہ الفاظ بار بار پڑھتی گئی۔ کچھ تھا ان میں جو اسے بار بار کھینچتا تھا۔ وہ وہاں سے جا ہی نہ پا رہی تھی' جانے کے لیے قدم اٹھاتی مگر وہ الفاظ اسے روک دیتے اور وہ واقعی پھر سے رک جاتی۔

جب تفسیر کی کلاس کا وقت ہونے لگا تو وہ بمشکل خود کو وہاں سے کھینچ لائی۔ قرآن کھولتے ہوئے نظر درمیان کے کسی صفحے پہ پڑ گئی۔

"ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔"

وہ صفحے پیچھے پلٹنے لگی۔ انگلی سے ورق پلٹتے ہوئے ایک اور جگہ یونہی نگاہ پھسلی۔

"آج تم ایک موت نہ مانگو' بلکہ آج تم کئی موتیں مانگو۔"

وہ سر جھٹک کر اپنے سبق پہ آئی۔

آج کی پہلی آیت ہی یہ تھی۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب تم میں سے کسی ایک پہ موت حاضر ہو جائے۔"

"اوہو' مجھے کیا ہو گیا ہے؟" وہ بے بسی سے مسکرا کر رہ گئی۔ "آج تو ساری موت کی آیتیں پڑھ رہی ہوں' کہیں میں مرنے تو نہیں والی؟ اف' محمل' فضول مت سوچو اور سبق پہ توجہ دو۔"

وہ سر جھٹک کر نوٹس لینے لگی۔ موت کی وصیت کے متعلق آیات پڑھی جا رہی تھیں۔

اسے یاد آیا' ابھی اس نے ایک حدیث بھی کچھ ایسی ہی پڑھی تھی۔

اچانک لکھتے لکھتے اس کا قلم پھسل گیا۔ وہ رک گئی اور پھر آہستہ سے سر اٹھایا۔

"کیا کوئی مرنے والا ہے؟" اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ وہ جو قرآن میں پڑھتی تھی' وہ اس کے ساتھ پیش آجاتا تھا' یا آنے والا ہوتا تھا۔ کبھی ماضی' کبھی حال اور کبھی مستقبل۔ کوئی لفظ بے مقصد' بے وجہ اس کی آنکھوں سے نہیں گزرتا تھا۔ پھر آج وہ کیوں بار بار ایک ہی طرح کی آیات پڑھ رہی تھی۔ کیا کوئی مرنے والا ہے؟ کیا کوئی اسے چھوڑ کر جانے والا ہے؟ کیا اسے قرآن ذہنی طور پہ تیار کر رہا ہے' اسے صبر کرنے کو کہہ رہا ہے' مگر کیوں؟ کیا ہونے والا ہے۔؟

وہ بے چینی سے قرآن کے صفحے آگے پلٹنے لگی۔

"اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ایک سطر پڑھ کر اس نے ڈھیر — سارے ورق الٹے۔

"صبر کرنے والے اپنا صلہ۔"

پورا پڑھے بغیر اس نے آخر سے قرآن کھولا۔

"اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہو۔"

اور پھر وہ صفحے تیز تیز پلٹتی ایک نظر سے سب گزارتی جا رہی تھی۔

"اور کوئی نہیں جانتا وہ کون سی زمین پہ مرے گا۔"

محمل کا دم گھٹنے لگا تھا۔ بے اختیار گھبرا کر اس نے قرآن بند کیا۔ اسے پسینہ آ رہا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کچھ ہونے والا تھا۔ کیا وہ برداشت کر پائے گی؟ شاید نہیں' اس میں اتنا صبر نہیں ہے۔ وہ کچھ نہ برداشت کر پائے گی۔ کبھی بھی نہیں۔ اس نے وحشت سے ادھر ادھر دیکھا۔

میڈم مصباح کا لیکچر جاری تھا۔ لڑکیاں سر جھکائے نوٹس لے رہی تھیں۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے ذرا سی گردن اوپر کو اٹھائی۔ اوپر چھت تھی۔ چھت کے پار آسمان تھا۔ وہاں کوئی اس کی طرف ضرور متوجہ تھا مگر وحشت اتنی تھی کہ وہ دعا بھی نہ مانگ سکی۔

تب ہی آپا اماں اسے دروازے میں نظر آئیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک چٹ تھی۔ وہ میڈم مصباح کے پاس گئیں اور چٹ ان کی طرف بڑھائی۔ میڈم نے لیکچر روک دیا' اور چٹ تھامی۔

محمل بنا پلک جھپکے ان کو دیکھ رہی تھی۔

میڈم مصباح نے چٹ پڑھ کر سر اٹھایا' ایک نگاہ پوری کلاس پہ ڈالی' پھر چہرہ مائیک کے قریب کیا۔

"محمل ابراہیم پلیز' ادھر آجائیں۔"

اور اسے لگا' وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی۔ وہ جان گئی تھی۔ کوئی مرنے والا نہیں تھا۔ اب کسی کو نہیں مرنا تھا۔ اس کا نام پکارا جا رہا تھا اور اس کی ایک ہی وجہ تھی۔

جسے مرنا تھا' وہ مر چکا تھا۔ کہیں کوئی' اس کا پیارا' مر چکا تھا۔

وہ نیم جاں قدموں سے اٹھی اور میڈم کی طرف بڑھی۔

"آنکھ آنسو بہاتی ہے۔

دل غمگین ہے۔

مگر ہم زبان سے وہی کہیں گے جس پہ ہمارا رب راضی ہو۔

اے ابراہیم..... بے شک ہم تیری جدائی پہ بہت غم زدہ ہیں۔"

صدیوں پہلے کسی کے کہے گئے الفاظ کی بازگشت اسے سارے ہال میں سنائی دے رہی تھی۔ باقی ساری آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ اس کے کان بند ہو گئے تھے۔ زبان بند ہو گئی تھی۔

بس وہ ایک آواز اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

آنکھ آنسو بہاتی ہے۔

دل غمگین ہے۔

دل غمگین ہے۔

دل غمگین ہے۔

وہ بمشکل میڈم مصباح کے سامنے کھڑی ہوئی۔

"جی میڈم؟"

FIAZ AHMED
Friends Korner.com

بارے میں قطعی لاعلم ہوں۔"

"آغا جان نے یہ گھر بیچ دیا؟ مگر کیوں؟" وہ شاکڈ سی رہ گئی۔

"معلوم نہیں میم! کیا میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا ہوں؟"

اس کا سر نفی میں دائیں سے بائیں ہلا۔ لڑکا معذرت کر کے واپس چلا گیا اور وہ پریشان سی بیٹھی رہ گئی۔

"بی بی! ہمسائیوں سے پوچھتے ہیں۔" اور اس کے منع کرنے سے قبل ہی بلقیس ساتھ والے گھر کی گھنٹی بجا چکی تھی۔ اس گھر میں کون رہتا تھا؟ خاصا جانا پہچانا سا گھر تھا، مگر یاد نہیں آ رہا تھا۔

بمشکل ایک منٹ بعد ہی گیٹ کھل گیا۔ محمل نے گردن اٹھا کر دیکھا۔

ادھر کھلے گیٹ کے اس پار بریگیڈیئر فرقان کھڑے تھے۔

شلوار قمیص میں ملبوس، چہرے پہ نفاست سے تراشیدہ داڑھی اور بھرپور مسکراہٹ لیے وہ اسے دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر اسے بہت کچھ یاد آنے لگا۔

"السلام علیکم لٹل گرل! میں کافی دیر سے آپ کو ٹیرس سے دیکھ رہا تھا۔ آیئے اندر آجائیں۔" انہوں نے گیٹ پورا کھول دیا اور ایک طرف کو ہٹ گئے۔

بلقیس اس کی وہیل چیئر دھکیلتی اندر روش پہ لے آئی۔

"ادھر آجایئے۔" وہ لان میں گھاس پہ رکھی لان چیئرز کو جوڑنے لگے، یوں کہ وہیل چیئر کی جگہ بن جائے۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ اس کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھے اور بہت شائستگی سے پوچھنے لگے۔ ان کا مخصوص لب و لہجہ اسی طرح بھاری تھا، البتہ سختی کی جگہ نرمی نے لے لی تھی۔

"ٹھیک ہوں، الحمد اللہ۔" وہ ذرا سا مسکرائی اور سر جھکا لیا، پھر کچھ سوچ سوچ کر اسی جھکے سر کے ساتھ کہنے لگی۔ "میرا کچھ سال پہلے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، تو۔۔۔"

"میں جانتا ہوں، میں آپ کو دیکھنے اسپتال آتا تھا۔"

اس نے ہولے سے سر اٹھایا۔ سنہری آنکھوں میں حیرت اتر آئی تھی۔

"اچھا؟" اور پھر اسے یاد آگیا۔ "ہاں مجھے نرس نے بتایا تھا۔ تو وہ آپ تھے؟"

"جی ہاں۔" وہ دھیمے سے مسکرائے۔ "آپ کی امانت نے میری زندگی بدل دی بیٹا۔"

وہ بنا پلک جھپکے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں نے دو سال وہ پمفلٹ نہیں کھولے، پھر زندگی میں ایک موڑ ایسا آیا کہ ہر جگہ اندھیرا دکھنے لگا تو نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے ان کو کھول لیا۔ میرا خیال تھا، ان میں کسی تنظیم کا لٹریچر ہو گا یا کسی سیاسی پارٹی کا منشور، مگر ان میں تو صرف قرآن کی آیات تھیں اور ان کا سادہ ترجمہ۔ میں پڑھتا گیا اور پھر۔۔۔ پھر سب بدل گیا، سب ٹھیک ہو گیا۔"

مختصر الفاظ میں انہوں نے ساری بات سمیٹ دی۔ وہ چپ چاپ انہیں سنتی گئی۔

"آپ کچھ عرصہ پہلے گھر شفٹ ہو گئی تھیں، مجھے پتا چلا تھا۔ اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟"

"ایم فائن۔" پھر لمحے بھر کے توقف کے بعد بولی۔ "آغا جان وغیرہ کدھر گئے؟ انہوں نے گھر کیوں بیچ دیا؟"

"جن دنوں وہ گئے تھے میں ملک سے باہر تھا، بس ملازم سے ہی تھوڑا بہت سنا تھا کہ شاید تینوں بھائیوں نے جائیداد کا بٹوارہ کیا ہے اور گھر بیچ کر رقم تقسیم کر کے الگ الگ جگہوں پہ شفٹ ہو گئے ہیں۔ آپ کے ایکسیڈنٹ کا بھی میرے ملازم نے ہی بتایا تھا۔"

"کب کی بات ہے یہ؟ کب بیچا انہوں نے گھر؟"

"آپ کے ایکسیڈنٹ کے تقریباً سال ڈیڑھ بعد۔"

"اوہ!" اس کے لب سکڑے اور پھر اس نے گہری سانس لی۔ "کوئی اندازہ ہے آپ کو کہ وہ کہاں گئے؟ اب میں ان سے کدھر ملوں؟"

"اونہوں، قطعی نہیں۔" انہوں نے معذرت خواہانہ انداز میں سر نفی میں ہلایا۔ "ہمارے کبھی اتنے تعلقات تھے ہی نہیں، ہاں آغا اسد کے بارے میں، میں نے ایک دوست سے سنا تھا۔ وہ کلب میں آغا اسد کے ساتھ ہوتا تھا۔"

ان کے الفاظ پہ وہ چونکی، دل زور سے دھڑکا۔

"کیا؟ کیا سنا تھا؟"

"یہ ہی کہ ان کو کینسر ہو گیا تھا، اور پھر ان کی ڈیتھ ہو گئی۔ آپ کو نہیں پتا چلا؟"

وہ سانس روکے ہکا بکا سی بیٹھی رہ گئی۔

"آئی ایم ویری سوری محمل۔" انہیں افسوس ہوا۔

"کب؟ کب ہوا یہ؟" چند لمحے بعد اس کے لب پھڑپھڑائے۔ آنکھیں پتھرا سی گئی تھیں۔

"غالباً پانچ سال قبل، ان کے گھر بیچنے کے چھ، سات ماہ بعد۔"

"اور۔۔۔ اور ان کے بچے؟ معاذ اور معیز تو بہت چھوٹے تھے۔"

"معلوم نہیں۔ یتیم بچے تو پھر مجبوراً رشتہ داروں کے تسلط میں ہی رہتے ہیں۔ اللہ ان پہ رحم کرے۔"

اور وہ لفظ "یتیم بچے" محمل کے دل میں کھب گیا۔ بہت پہلے پڑھی گئی ایک آیت ذہن میں گونجی۔ "ان لوگوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور یتیم اولاد چھوڑ جاتے۔" (نساء 9)

"یتیم بچے؟ اسد چچا کے بچے یتیم ہو گئے؟ آرزو، معاذ، معیز۔" وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

اور پھر کب وہ بریگیڈیئر فرقان کو خدا حافظ کہہ کر بلقیس کے ہمراہ باہر آئی، اسے کچھ پتا نہ چلا۔ دل و دماغ بس ایک ہی نقطے پہ منجمد ہو گئے تھے۔ اسد چچا کے بچے یتیم ہو گئے۔

بے اختیار اسے اس لاؤنج کا وہ منظر یاد آیا۔

صوفے پہ گری محمل اور اس کو تھپڑوں اور جوتوں سے مارتے اسد چچا اور غفران چچا۔

غفران چچا۔۔۔ نہ جانے وہ کہاں گئے؟ اور آغا

ماہنامہ کرن

جولائی 2011 کے شمارے کی ایک جھلک

- "آواز کی دنیا سے" نیوز کاسٹر FM-105 کی "سمیھا سیفی" کی باتیں،
- اداکارہ "نیلم منیر" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "صدف عمیر" دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- "مجھ سے ملیے" کے سلسلے میں "شگفتہ بھٹی" کے بارے میں دلچسپ باتیں،
- "پیا کا گھر پیارہ لگے" قارئین کا پسندیدہ سلسلہ،
- "قارئین کی عدالت میں" اداکار "میکالذوالفقار" سے سوالات،
- "بول کہ لب آزاد ہیں تیرے" قارئین کے لیے دلچسپ سلسلہ،
- "درد دل" نبیلہ عزیز کا سلسلے وار ناول،
- "دست کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
- "بات زندگی کی" نازیہ کنول نازی کا مکمل ناول،
- "اورے پیا" نایاب جیلانی کا مکمل ناول،
- "بے داغ" نبیلہ عزیز کا مکمل ناول،
- "اسیر موسم ہجراں" ضوباریہ ساحر کے ناول کا دوسرا حصہ،
- "گوشہ عافیت" شگفتہ بھٹی کا ناولٹ اختتام کی طرف،
- "بہاراں ہے تم سے" نازیہ جمال کا دلکش ناولٹ،
- الماس یاسین، حریم ملک، لبنیٰ طاہر اور شاہدہ ملک کے افسانے اور مستقل دلچسپ سلسلے،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

صحت و غذائیت سے بھرپور "اچار، چٹنیاں اور مربے"

گھر میں تیار کریں۔ کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے پیش خدمت ہے۔ استفادہ کیجیے۔

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

"آپ کا ڈرائیور آپ کو لینے آیا ہے' ایمرجنسی ہے' آپ کو گھر جانا۔۔۔"

مگر وہ پوری بات سنے بغیر ہی سیڑھیوں کی طرف بھاگی' ننگے پاؤں زینے پھلانگتی وہ تیزی سے اوپر آئی تھی۔ جوتوں کا ریک ایک طرف رکھا تھا' مگر محمل کو اس وقت جوتوں کا ہوش نہ تھا۔ وہ سنگ مرمر کے فرش پہ ننگے پاؤں دوڑتی جا رہی تھی۔

غفران چچا کی اکارڈ سامنے کھڑی تھی۔ ڈرائیور دروازہ کھولے منتظر کھڑا تھا' اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"بی بی آپ۔۔۔"

"پلیز خاموش رہو۔" وہ بمشکل ضبط کرتی اندر بیٹھی۔ "اور جلدی چلو۔"

اس کا دل یوں دھڑک رہا تھا گویا ابھی سینہ توڑ کر باہر آگرے گا۔

آغا ہاؤس کا مین گیٹ پورا کھلا تھا' باہر گاڑیوں کی قطار لگی تھی۔ ڈرائیو وے پہ لوگوں کا جم غفیر اکٹھا تھا۔ گاڑی ابھی گیٹ کے باہر سڑک پہ ہی تھی کہ وہ دروازہ کھول کر باہر بھاگی۔ ننگے پاؤں تارکول کی سڑک پہ جلنے لگے' مگر اس وقت جلن کی پرواہ کسے تھی۔

اس نے رش میں گھرے آغا جان کو دیکھا' غفران چچا کو دیکھا' حسن کو دیکھا' وہ سب اس کی طرف بڑھے تھے' مگر وہ اندر کی طرف لپک رہی تھی۔ لوگوں کو اِدھر اُدھر ہٹاتی وہ ان آوازوں تک پہنچنا چاہتی تھی جو لان سے آرہی تھیں۔ عورتوں کے بین' رونے' آہ و بکا کی آوازیں۔

لوگ ہٹ کر اس سفید یونیفارم اور گلابی اسکارف والی لڑکی کو راستہ دینے لگے تھے۔ وہ بھاگتی ہوئی لان تک آئی اور پھر گھاس کے دہانے پہ بے اختیار رُک گئی۔

لان میں عورتوں کا ایک ہجوم اکٹھا تھا۔ درمیان میں چارپائی رکھی تھی' اس پہ کوئی سفید چادر اوڑھے لیٹا تھا۔ چارپائی کے چاروں طرف عورتیں رو رہی تھیں۔ ان کے چہرے گڈمڈ سے ہو رہے تھے۔ ایک فضہ چچی تھیں۔ اور ہاں نائمہ چچی بھی تھیں اور وہ سینے پہ دو ہتھڑ مار کر روتی رضیہ پھوپھو تھیں' اور وہ اونچی آواز میں بین کرتی مہتاب تائی تھیں۔ سب تو اِدھر موجود تھے۔

پھر کون تھا اس چارپائی پہ؟ کون۔۔۔ کون تھا وہ؟

اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی' وہاں سارا خاندان اکٹھا تھا' بس ایک چہرہ نہ تھا۔

"اماں!" اس کے لب پھڑپھڑائے۔

اس نے انہیں پکارنے کے لیے لب کھولے' مگر آواز نے گویا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ وحشت سے ادھر ادھر دیکھنے لگی' شاید اس کی ماں کسی کونے میں بیٹھی ہو' مگر وہ کہیں نہ تھی۔ اس کی ماں کہیں نہ تھی۔

"محمل۔۔۔ محمل۔" وہ عورتیں اسے پکار رہی تھیں۔ اٹھ اٹھ کر اسے گلے سے لگا رہی تھیں' کسی نے راستہ بنا دیا' تو کوئی میّت کے پاس سے ہٹ گیا' کوئی اسے ہاتھ سے پکڑ کر چارپائی کے قریب لے آیا' کسی نے شانوں پہ زور دے کر اسے بٹھا دیا۔ کسی نے میّت کے چہرے سے سفید چادر ہٹا دی۔ کون کیا کر رہا تھا' اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ساری آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ اردگرد کی عورتوں کے لب ہل رہے تھے' مگر وہ سن نہ پا رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں' رو رہی ہیں یا ہنس رہی ہیں' وہ تو بس یک ٹک' بنا پلک جھپکے اس زرد چہرے کو دیکھ رہی تھی جو چارپائی پہ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ نتھنوں میں روئی ڈالی گئی تھی اور چہرے کے گرد سفید پٹی تھی۔ وہ چہرہ واقعی اماں سے بہت ملتا تھا۔ بالکل جیسے اماں کا چہرہ ہو' اور شاید۔۔۔ شاید وہ اماں کا چہرہ ہی تھا۔

اسے بس ایک پل لگا تھا یقین آنے میں' اور پھر اس نے چاہا کہ وہ بھی دھاڑیں مار کر رونے لگے' نوحہ کرے' بین کرے' زور' زور سے چلائے' مگر وہ رحمتہ العالمین کے کہے گئے الفاظ۔۔۔

"مگر ہم زبان سے وہ ہی کہیں گے جس پہ ہمارا رب راضی ہو۔"

اور اس کے لب کھلے رہ گئے' آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی۔ زبان ہلنے سے انکاری ہو گئی۔

اس کا شدت سے دل چاہا کہ اپنا سر پیٹے' سینے پر دو ہتھڑ مار کر بین کرے۔ دوپٹہ پھاڑ ڈالے اور اتنا چیخ چیخ کر روئے کہ آسمان ہل جائے' اور پھر اس نے ہاتھ اٹھائے بھی مگر۔

"نوحہ کرنے والی اگر توبہ کیے بغیر مر گئی تو اس کے لیے تارکول کے کپڑے اور آگ کے شعلے کی قمیص ہو گی۔"

"جو گریبان چاک کرے اور رخساروں پر طمانچے مارے اور بین کرے ہم میں سے نہیں۔"

یہ ہدایت تو ابد تک کے لیے تھی۔

اس کے ہاتھ اٹھنے سے انکاری ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لیکن لب خاموش تھے۔

"اسے رُلاؤ' اس سے کہو اونچا رو لے' ورنہ پاگل ہو جائے گی۔"

"اس سے کہو دل ہلکا کر لے۔"

بہت سی عورتیں اس کے قریب زور' زور سے کہہ رہی تھیں۔

"میری بچی!" تائی مہتاب نے روتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا۔ وہ اسی طرح ساکت سی بیٹھی ماں کی میت کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو گر کر گردن پہ لڑھک رہے تھے۔ اس کا پورا چہرہ بھیگ گیا تھا' مگر زبان۔۔۔ زبان نہیں ہلتی تھی۔

"مسرت تو ٹھیک ٹھاک تھی' پھر کیسے۔۔۔"

"بس صبح کہنے لگی سینے میں درد ہے۔ ہم فوراً اسپتال لے کر گئے' مگر۔"

ادھوری ادھوری سی آوازیں اس کے اردگرد سے آرہی تھیں' مگر اسے سنائی نہ دے رہی تھیں' اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اسے لگا اسے چکر آرہے ہیں' عجیب سی گھٹن تھی' اس کا سانس بند ہونے لگا تھا۔

وہ ایک دم اٹھی اور عورتوں کو ہٹاتی اندر بھاگ گئی۔

☼ ☼ ☼

کسی نے دروازے پہ ہلکی سی دستک دی۔ ایک دفعہ' دو دفعہ' پھر تیسری دفعہ' اس نے گھٹنوں پہ رکھا سر ہولے سے اٹھایا۔ دروازہ بج رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھی' بیڈ سے اتری' سلیپر پاؤں میں ڈالے اور کنڈی کھولی' باہر فضہ چچی کھڑی تھیں۔

"محمل بیٹا! تمہارے آغا جان تمہیں بلا رہے ہیں۔"

"آتی ہوں۔" اس نے ہولے سے کہا تو فضہ چچی پلٹ گئیں۔ وہ کچھ دیر یوں ہی ادھر کھڑی رہی' پھر باہر آگئی۔

سیڑھیوں کے قریب لگے آئینے کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ پل بھر کو رکی' اس کا عکس بھی رک کر اسے دیکھ رہا تھا۔

ہلکے نیلے رنگ کی شلوار قمیص پہ سفید ململ کا دوپٹہ سر پہ لیے وہ کمزور پژمردہ سی محمل ہی تھی؟ ہاں شاید وہ ہی تھی' سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ کمہلایا ہوا لگ رہا تھا۔ آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے' وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

آغا جان کے کمرے میں سب چچا اور چچیاں موجود تھیں' وسیم بھی ایک طرف کھڑا تھا۔

"آؤ محمل!" اسے آتے دیکھ کر آغا جان نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ آج اماں کو گزرے چوتھا دن تھا اور گھر والوں کا رویّہ پہلے کی نسبت اب خاصا نرم تھا۔

وہ چپ چاپ صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"اس صبح' جب مسرت کی ڈیتھ ہوئی' اس نے درد شروع ہوتے ہی یہ کچھ چیزیں وصیت کی تھیں تمہارے لیے۔" (اسے لگ رہا تھا وہ اب مزید نہیں جی پائے گی) "ہم نے سوچا کہ تمہیں دے دی جائیں۔" انہوں نے ایک طرف رکھا ڈبہ اٹھایا۔ محمل نے سر اٹھا کر ڈبے کو دیکھا۔ یہ ڈبہ اماں کے زیورات کا تھا۔ وہ اسے ہمیشہ تالا لگا کر الماری کے نچلے خانے میں رکھتی تھیں۔

"یہ ایک ڈبہ تھا' اس کی یہ چابی ہے' تم خود دیکھ لو اور ساتھ یہ کچھ رقم تھی' اس کی جمع پونجی' اس نے مجھ سے

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

جان... سب کدھر چلے گئے؟ وہ ان لوگوں کو کدھر ڈھونڈے؟

مگر وہ ان کو کیوں ڈھونڈنا چاہتی تھی؟ اس نے خود سے پوچھا' کیا وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ان کو ان کے کیے کی سزا ملی یا نہیں کہ آخر یہ قانون فطرت ہے۔ یا وہ ان خون کے رشتوں کی محبت میں ان کو یاد کر رہی تھی؟ شاید خون کی محبت غالب آگئی تھی یا شاید اپنے سب سے قریبی رشتوں شوہر اور بیٹے کے ٹھکرائے جانے کے بعد اسے کسی رشتے کی ضرورت تھی' ہاں شاید یہ ہی بات تھی۔

وہ ان ہی سوچوں میں الجھتی گھر واپس آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سارے میں فجر اتری تھی جب وہ وہیل چیئر کو خود گھسیٹتی' کھینچتی لان میں آئی۔ شبنم کے قطرے گھاس پہ بکھرے تھے۔ دور کہیں پرندوں کی حمد کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ مختلف بولیاں' مگر ایک ہی بات انسانوں کی سمجھ میں نہ آئے' وہ اور بات ہے۔

تب ہی وہ آہستہ آہستہ وہیل چیئر چلاتی دیوار کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ دیوار کے اس پار مدرسے کی عمارت تھی۔ صبح کے وقت مدرسے کے صحن میں بچوں کی ناظرہ کلاس ہوتی تھی۔ وہاں بچے بلند آواز میں قرآن پڑھا کرتے تھے۔ ان کی تجوید کی ہلکی ہلکی آوازان کے لان میں بھی سنائی دیتی تھی۔

وہ آواز آج بھی آرہی تھی۔ وہ وہیں' دیوار کے ساتھ وہیل چیئر روکے کان لگا کر سننے لگی۔

وہ سب مل کر بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔

ترجمہ: "اور داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور کہو حطتہ۔ ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے اور عنقریب ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔"

آج اس نے بہت عرصے بعد وہ آیت سنی تھی۔ بے اختیار وہ گود میں رکھے قرآن کے صفحے پلٹنے لگی۔

وہ بنی اسرائیل کے ہیکل میں داخل ہونے کا قصہ تھا۔ سورۃ البقرہ کی 58 آیت' جب انہوں نے حطتہ کے بجائے حنطتہ کہا تھا۔ محمل کو کبھی یہ قصہ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اب بھی وہ الجھ سی گئی اور وہ صفحہ پلٹا۔

اس میں اس نے کوئی خاص نوٹس نہیں لکھے تھے۔ شاید پرانے رجسٹر میں ہوں جو الگ سے تھے۔ اس نے اپنی وہیل چیئر کا رخ موڑا اور اندر لے گئی۔ اسٹڈی میں ایک جگہ اس نے اپنے پرانے نوٹس رکھے تھے۔ وہ ان ہی کو ڈھونڈنے اسٹڈی میں آئی۔ دروازہ آدھ کھلا تھا' وہ اندر آگئی۔

ہمایوں اس کی طرف پشت کیے ریک میں سے کوئی کتاب نکال رہا تھا۔ آہٹ پہ پلٹا۔ ایک نظر اسے دیکھا اور پھر واپس کام میں لگ گیا۔ اجنبیت' سرد مہری' بے حسی' مگر زیادہ دل جلائے بغیر وہ کمرے کے مطلوبہ حصے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے نوٹس وہیں رکھے تھے۔ گرد کی ایک تہ ان پہ جمی تھی' جیسے ان گزرے برسوں میں بس واجبی سی صفائی کی جاتی رہی ہو۔ ظاہر ہے فرشتے کیا کیا دیکھے' اسے کسی دن اسٹڈی کی صفائی کروانا چاہیے۔ وہ سوچتی ہوئی مطلوبہ رجسٹر ڈھونڈنے لگی۔

بغیر کسی دقت کے اسے وہ رجسٹر سامنے ہی مل گیا۔ اس پہ ہلکی ہلکی سی گرد کی تہ جمی تھی۔ محمل نے وہ ترچھا کر کے چہرے کے سامنے کیا اور پھونک ماری' گرد اڑ کر دور بکھر گئی۔

"میں تمہیں چھوڑنا چاہتا ہوں۔" ہمایوں بغیر کسی تمہید کے کھڑے کھڑے کتاب کے صفحے الٹ پلٹ کرتے بولا تھا۔

لمحے بھر کو محمل کو لگا وہ دھول مٹی رجسٹر سے اڑ کر ہر طرف چھانے لگی ہے۔ اس نے بمشکل رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ بے نیاز سا کتاب کے ورق پلٹ رہا تھا۔

"میرا مطلب مکمل علیحدگی سے ہے۔ میں اب یہ رشتہ مزید نہیں نبھانا چاہتا۔ سو مجھے اپنے پیروں کی زنجیر کھولنے دو۔ سنی ہم دونوں کا بیٹا ہے اور سات سال کا ہو چکا ہے۔ اس کی کسٹڈی اسے خود ڈیسائیڈ کرنے دینا۔"

دھول شاید اس کی آنکھوں میں بھی پڑ گئی تھی۔ وہ سرخ پڑنے لگی تھیں۔ وہ لب کچلتی اس کی بات سن رہی تھی۔

"اگر سنی تمہارے ساتھ رہنا چاہے تو میں اسے مجبور نہیں کروں گا کہ وہ میرے ساتھ رہے اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو تم اسے مجبور مت کرنا' جو بھی فیصلہ کرو' مجھے بتا دینا' لیکن میں فیصلہ کر چکا ہوں۔" اس نے کتاب ریک میں واپس رکھی اور بنا اس کو دیکھے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

وہ شدید صدمے کے زیر اثر پتھر بنی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

کیا ہمایوں اس طرح اسے اپنی زندگی سے دور کر سکتا ہے؟

"اگر کرتا ہے تو کرنے دو' میں مر نہیں جاؤں گی اس کے بغیر۔" ایک دم اس نے سر جھٹکا۔

آنکھ آنسو بہاتی ہے۔

اور دل غمگین ہے

مگر

ہم زبان سے وہ ہی کہیں گے جس پہ ہمارا رب راضی ہو۔

بے اختیار ہی وہ مدھم سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ اس کے دل کو جیسے قرار سا آگیا۔

اس نے رجسٹر کھولا۔ نوٹس میں اس واقعے کے متعلق بس اتنا لکھا ہوا تھا کہ ہیکل میں داخلے سے قبل جب بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ سواریوں پہ جھکتے ہوئے عاجزی سے حطتہ یعنی "بخشش" کہتے ہوئے داخل ہو' تو وہ مسخرا اڑاتے ہوئے زبانیں مروڑ کر حنطتہ حنطتہ (Hintatun) کہتے ہوئے دروازے سے داخل ہوئے۔ آگے لکھا تھا۔

"حنطتہ کا مطلب ہوتا ہے گن۔" اس سے آگے صفحہ ختم تھا۔

اس نے ذہن سے تمام سوچوں کو جھٹک کر ان الفاظ پہ غور کیا اور پھر نئے سرے سے الجھ گئی۔ وہ واقعہ اسے بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔۔۔۔ بنی اسرائیل جینیئس اور عقل مند قوم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے گن کس چیز کو کہا؟ جب ان کو سیدھے طریقے سے بتایا گیا تھا کہ وہ بخشش مانگیں تو انہوں نے "گن گن" کیوں کہا؟ ایک طرف وہ اتنے ذہین تھے کہ حطتہ سے ملتا جلتا لفظ ڈھونڈ لائے' اور دوسری طرف اس لفظ کو کہنے کا مطلب ہی نہیں بنتا تھا۔ آخر کیوں انہوں نے صحیح لفظ نہ بولا؟ حنطتہ کیوں کہا؟

وہ سمجھ نہ پائی اور پھر قرآن بند کر کے رکھ دیا۔ دل اتنا خالی تھا کہ تفسیر کھول کر تفصیل پڑھنے کو بھی نہیں چاہا۔ کانوں میں ابھی تک ہمایوں کے الفاظ گونج رہے تھے۔

ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلا اور رخسار پہ پھسلتا گیا۔

"تو جس حال میں بھی رکھے' میرے مالک' میں تجھ سے راضی۔" اور نہایت بے دردی سے اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو رگڑ ڈالا تھا۔

☆ ☆ ☆

تیمور توس کے چھوٹے چھوٹے لقمے لے رہا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پہ اس کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

وہ اپنی وہیل چیئر گھسیٹتی ڈائننگ ہال میں داخل

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

کوئی ایسا اہل دل ہو

نبیلہ عزیز

قیمت ۔۔۔ -/250 روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔

کہا تھا کہ میں تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرادوں مگر میں نے سوچا کہ میں یہ تمہارے حوالے ہی کردوں' تم بہتر فیصلہ کرسکتی ہو۔"

انہوں نے ایک پھولا ہوا لفافہ ڈبے کے اوپر رکھا۔ محمل نے آہستہ سے لفافہ اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ اندر ہزار ہزار کے کئی نوٹ تھے۔ شاید اماں نے اس کے جہیز کے لیے رکھے تھے۔ اس کا دل بھر آیا۔ اس نے لفافہ ایک طرف رکھا اور چابی سے کاسنی ڈبے کا تالا کھولا۔

اندر کچھ زیورات تھے۔ خالص سونے کے جڑاؤ زیورات' اس نے ڈبہ بند کردیا۔ معلوم نہیں اماں نے کب سے سنبھال رکھے تھے۔

"وسیم سمیت تمام لوگ اس وصیت کے وقت موجود تھے' تم سب سے پوچھ سکتی ہو' میں نے تمہارا حق پورا ادا کردیا ہے یا نہیں۔"

اس نے بھیگی آنکھیں اٹھائیں' سامنے صوفوں اور کرسیوں پہ بیٹھے تمام نفوس کے چہرے مطمئن تھے' مطمئن اور بے نیاز۔

"چیزیں تو آپ نے ادا کردی ہیں آغا بھائی اگر مسرت کی وصیت؟" دفعتاً" فضہ چچی نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

"اوہو فضہ! ابھی اس کی ماں کو گزرے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔" تائی مہتاب نے نگاہوں سے تنبیہہ کی۔

"مگر بھائی! مسرت نے کہا تھا کہ جلد از جلد۔"

"رہنے دو فضہ! ہم اس کا فیصلہ محمل پہ چھوڑ چکے ہیں۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔"

"مگر ایٹ لیسٹ اسے بتا تو دیں۔"

"ابھی اس کا غم تو ہلکا ہونے دو' پھر۔۔۔"

ان کی دبی دبی سرگوشیاں اسے بے چین کر گئیں۔

"تائی اماں! کیا بات ہے؟ اماں نے کچھ اور بھی کہا تھا؟"

سب ایک دم خاموش سے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"محمل! میں تمہیں کچھ دن تک بتادوں گی' ابھی اس قصے کو چھوڑو۔"

"پلیز تائی اماں! مجھے بتائیں۔"

"مگر تمہارا غم ابھی۔۔۔"

"میں ٹھیک ہوں' مجھے بتائیں۔" اس نے بے چینی سے بات کاٹی۔

تائی مہتاب نے ایک نظر سب کو دیکھا' پھر قدرے ہچکچا کر گویا ہوئیں۔

"بات یہ ہے کہ مسرت نے مرنے سے پہلے وسیم کو بلوا کر ان سب کے سامنے تمہارے آغا جان سے کہا تھا کہ اگر وہ بچ نہ سکے تو جتنی جلدی ہو ہم محمل کو وسیم کی دلہن بنا کر سہارا دے دیں' اس کو بے آسرا نہ چھوڑیں اور تمہارے آغا جان نے اس سے وعدہ کرلیا کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔"

وہ اپنی جگہ سن سی ہوگئی۔ "زمین جیسے قدموں تلے سے سرکنے لگی تھی اور آسمان سر سے ہٹنے لگا تھا۔

"اماں نے یہ سب کہا؟"

"ہاں' یہ سب لوگ جو یہاں ہیں' اس بات کے گواہ ہیں' تم کسی سے بھی پوچھ لو۔"

وہ ایک دم بالکل چپ ہی ہوگئی۔ عجیب سی بات تھی' اسے یقین نہ آرہا تھا۔

"لیکن محمل! ہم نے یہ فیصلہ تم پر چھوڑ دیا ہے' تم چاہو تو یہ شادی کرو' چاہو تو نہ کرو' ہم نے تمہیں اس لیے آگاہ کردیا کہ یہ تمہاری ماں کی آخری خواہش تھی۔ یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اس کی بات رکھتی ہو یا نہیں۔ ہم میں سے کوئی تم پہ زور نہیں ڈالے گا۔"

وہ سر جھکائے کاسنی ڈبے کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن میں جیسے جھکڑ چل رہے تھے۔

مگر یہ ڈبہ اور لفافہ ثبوت تھا کہ یہ وصیت واقعی اس کی ماں نے کی تھی۔

"اگر تمہیں منظور ہے تو ہم اگلے جمعے کو نکاح رکھ لیتے ہیں کہ مسرت کی خواہش تھی یہ کام جلد از جلد کیا جائے' اگر نہیں تو کوئی بات نہیں' تم جو چاہو گی وہی ہوگا۔" تائی مہتاب اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

اس نے ہولے سے سر اٹھایا۔ سنہری آنکھیں پھر

سے بھیگ چکی تھیں۔ کمرے میں موجود تمام نفوس دم سادھے اسے دیکھ رہے تھے۔

"میں اپنی ماں کی بات کا مان رکھوں گی۔ آپ جب کہیں گی' میں شادی کے لیے تیار ہوں۔"

پھر وہ رکی نہیں' ڈبہ اور لفافہ اٹھا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ کچن میں کرسی پہ بیٹھی تھی' ہاتھ میں صبح و شام کی دعاؤں اور اذکار کی کتاب تھی اور وہ منہمک سی پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی۔

"ہم نے صبح کی فطرت اسلام پہ
اور کلمہ اخلاص پہ
اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پہ
اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پہ
جو یکسو مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔"

"محمل۔۔۔!" کسی نے زور سے کچن کا دروازہ کھولا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سامیہ عجلت میں اندر داخل ہوئی تھی۔

"تم سے کوئی ملنے آیا ہے' ڈرائنگ روم میں ہے' جاؤ مل لو۔"

"کون ہے؟"

"وہی پولیس والا!" وہ کہہ کر پلٹ گئی۔

"ہمایوں آیا ہے؟" وہ کتنی ہی دیر کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی' پھر آہستہ سے اسے بند کیا' سلیب پہ رکھا' لباس کی شکنیں درست کیں اور سیاہ دوپٹہ ٹھیک سے سر پہ لے کر باہر آگئی۔

ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز آرہی تھی جیسے دو لوگ گفتگو میں مشغول ہوں۔ یہ ہمایوں سے کون باتیں کررہا ہے؟ وہ الجھتی ہوئی اندر آئی' ڈرائنگ روم اور ڈائننگ ہال کے درمیان سفید جالی دار پردہ تھا۔ وہ پردے کے پیچھے ذرا دیر کو رکی۔

سامنے بڑے صوفے پہ ہمایوں بیٹھا تھا۔ اس کے بالکل مقابل سنگل صوفے پہ آرزو بیٹھی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے' آدھی پنڈلی تک ٹراؤزر پہنے وہ اپنے مخصوص بے نیاز حلیے میں تھی' کٹے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرتی وہ ہنس ہنس کر ہمایوں سے کچھ کہہ رہی تھی۔

جانے کیوں اسے یہ اچھا نہ لگا۔ اس نے ہاتھ سے پردہ سمیٹا اور اندر قدم رکھا۔

وہ جیسے اسے دیکھ کر کچھ کہتے کہتے رکا اور پھر بے اختیار کھڑا ہوگیا۔ بلیو شرٹ اور گرے پینٹ میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح بہت شان دار لگ رہا تھا۔ آغا جان اسے پسند نہیں کرتے تھے' مگر پھر بھی اسے اندر آنے دیے دیا گیا۔ شاید اس لیے کہ اب وہ ان کی بہو بننے والی تھی اور اس کو وہ ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"السلام علیکم۔" وہ آہستہ سے کہہ کر سامنے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ آرزو کے چہرے پہ ذرا سی ناگواری ابھری' جسے ہمایوں نے نہیں دیکھا تھا' وہ پوری طرح محمل کی طرف متوجہ تھا۔

"مجھے مسز ابراہیم کی ڈیتھ کا پتا بہت دیر سے چلا' میں کراچی گیا ہوا تھا' آج ہی آیا ہوں' فرشتے نے جیسے ہی بتایا' میں آگیا' آئی ایم ویری سوری محمل!" واپس صوفے پہ بیٹھتے ہوئے وہ بہت تاسف سے کہہ رہا تھا۔

محمل نے جواب دینے سے پہلے ایک نظر آرزو کو دیکھا۔

"آرزو باجی! آپ جاسکتی ہیں' اب میں آگئی ہوں۔"

"ہاں شیور۔" آرزو اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مگر جاتے ہوئے ان کو شادی کا کارڈ دے دینا۔" استہزائیہ مسکرا کر وہ گویا جتا گئی تھی۔ محمل کے سینے میں ہوک سی اٹھی۔

"کس کی شادی؟" وہ چونکا تھا۔

"محمل کی شادی' وسیم کے ساتھ' آپ کو نہیں پتا اے ایس پی صاحب؟ اسی فرائیڈے ان کا نکاح ہے' آپ ضرور آیئے گا' میں آپ کا کارڈ نکلوا دیتی ہوں' ٹھہریے!" وہ خوش دلی سے کہتی باہر نکل گئی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

کتنے ہی لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔
"یہ کیا کہہ رہی تھی؟" وہ بولا تو اس کی آواز میں حیرت تھی، بے پناہ حیرت۔
"ٹھیک کہہ رہی تھی۔" وہ سر جھکائے ناخن کھرچتی رہی۔
"مگر کیوں محمل؟"
"آپ غالباً تعزیت کے لیے آئے تھے۔"
"پہلے میری بات کا جواب دو، تم ایسا کیسے کر سکتی ہو؟"
"میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔" اس نے تلملا کر سر اٹھایا۔ "یہ میری ماں کی آخری خواہش تھی، مرتے وقت انہوں نے یہ ہی وصیت کی تھی۔"
"تمہیں کیسے پتا؟ تم تو ان کی ڈیتھ کے وقت مدرسے میں تھیں۔"
"ہاں، مگر انہوں نے آغا جان سے کہا تھا، سب لوگ وہاں موجود تھے، سب گواہ ہیں۔"
"تم!" وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ کیا کر ڈالے۔ "تم انتہائی بے وقوف اور احمق ہو۔"
"میں اپنی ماں کی بات کا مان رکھنا چاہتی ہوں، اس میں کیا حماقت ہے؟" وہ چڑ گئی۔
"نادان لڑکی! تمہیں یہ لوگ بے وقوف بنا رہے ہیں، استحصال کر رہے ہیں۔"
"کرنے دیں، آپ کو کیا ہے؟" وہ پیر پٹخ کر کھڑی ہو گئی۔ "آپ میرے کون ہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"
"میں جو بھی ہوں مگر تمہارا دشمن نہیں ہوں۔" وہ بھی ساتھ ہی کھڑا ہوا، اس کی آواز میں بے بسی تھی۔ کبھی یہ ہی بات اس نے بہت اکھڑ لہجے میں بھی کہی تھی۔ جب وہ مدرسے کے باہر اسے لینے آیا تھا، اس رات کی صبح جو اس کی زندگی اجاڑ گئی تھی۔
"اگر آپ کے دل میں میری ماں کا ذرا سا بھی احترام ہے تو مجھے وہ کرنے دیں جو میری ماں چاہتی تھی۔ ماں، باپ کبھی اولاد کا برا نہیں چاہتے۔ اسی میں کوئی بہتری ہو گی، آپ جا سکتے ہیں۔" وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔
اسی پل پردے ہٹا کر آرزو نمودار ہوئی۔
"آپ کا کارڈ، آئیے گا ضرور۔" اس نے مسکرا کر کارڈ ہمایوں کی طرف بڑھایا۔ ہمایوں نے ایک قہر آلود نظر کارڈ پہ ڈالی، اور دوسری محمل پہ، پھر لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔
"تو پرابلم۔" آرزو شانے اچکا کر کارڈ لیے واپس مڑ گئی۔
"اماں!" وہ کراہ کر صوفے پہ گر سی گئی۔ یہ اماں اسے کس منجھدار میں چھوڑ کر چلی گئی تھیں؟ کیوں کیا انہوں نے یہ فیصلہ؟ کیوں اماں؟" وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے سوچتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

سارے گھر میں دبا دبا سا شادی کا شور اٹھ چکا تھا، گو کہ ابھی صرف نکاح تھا، مگر مہتاب تائی بھرپور تیاریاں کر رہی تھیں۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فواد جلد ہی واپس گھر آ رہا تھا۔ اس خبر سے محمل پہ تو کوئی اثر نہ ہوا، البتہ تائی اماں اپنی اندرونی خوشی چھپائے سب کچھ محمل پہ ڈال گئی تھیں۔
"سوچ رہے ہیں تھوڑا سا گہما گہمی والا فنکشن رکھ لیں، تاکہ محمل کا دل بہل جائے، ورنہ سچ پوچھو تو مسرت کے جانے کے بعد سے وہ بہت بجھ سی گئی ہے۔ اب ہمارا دل تو نہیں چاہتا کہ شور ہنگامہ ہو، مگر بس محمل اچھا محسوس کرے، اس لیے۔"
وہ کسی نہ کسی کو ہر وقت فون پہ وضاحتیں دے رہی ہوتی تھیں۔
محمل چپ چاپ کچن میں کام نمٹاتی رہتی، جیسے وہ خاموش ماتم کر رہی تھی، نمازیں، تسبیحات، دعائیں، وہ سب کر رہی تھی، ہاں مدرسے وہ ابھی نہیں جا رہی تھی۔ مسجد جا کر سکون ملتا تھا اور فی الحال وہ سکون نہیں چاہتی تھی۔ وہ صرف اور صرف ماتم چاہتی تھی۔ مسرت کا، یا شاید اپنا، وہ نہیں جانتی تھی۔

فون کی گھنٹی بجی، تو وہ جو رومال سے میز صاف کر رہی تھی، آہستہ سے رومال چھوڑ کر اٹھی۔
اسٹینڈ پہ رکھا فون مسلسل بجے جا رہا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی قریب آئی اور ریسیور اٹھایا۔
"السلام علیکم!"
"وعلیکم السلام، محمل؟" نسوانی آواز ریسیور میں گونجی، وہ لمحے بھر میں ہی پہچان گئی۔
"فرشتے؟ کیسی ہیں آپ؟"
"میں ٹھیک ہوں۔ ہمایوں نے مجھے بتایا ہے کہ تم۔" فرشتے قدرے پریشانی سے کہہ ہی رہی تھی کہ اس نے تیزی سے بات کاٹی۔
"ہمایوں ہر بات آپ کو کیوں جا کر بتاتے ہیں؟ ان سے کہیں ایسا مت کیا کریں۔"
"مگر محمل۔۔۔ تم اس طرح کیسے؟"
"آپ لوگ مجھے احمق کیوں سمجھتے ہیں؟ کیوں میرے لیے پریشان ہو رہے ہیں؟ میری ماں میرے لیے کچھ غلط نہیں سوچ سکتی، پلیز مجھے میری زندگی کے فیصلے خود کرنے دیں۔"
"محمل! اب میں تمہیں کیا کہوں! اچھا ٹھیک ہے جو کرنا، سوچ سمجھ کے کرنا، اوکے، چلو اب ہمایوں سے بات کرو۔"
"ارے نہیں۔" وہ روکتی رہ گئی، مگر فرشتے نے فون اسے پکڑا دیا تھا۔
"اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے اور تمہارے وہ فیری ٹیل سسرال والے اجازت دیں تو کیا میں اور فرشتے تمہاری شادی کے فنکشن میں آ سکتے ہیں؟"
"اونہوں ہمایوں!" پیچھے سے فرشتے کی تنبیہی آواز ابھری۔
"کیوں محمل! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ طنزیہ بولا تھا۔
"ہاں شیور کیوں نہیں۔ جمعہ کو رات آٹھ بجے فنکشن ہے۔ ضرور آئیے گا، اللہ حافظ۔"
اس نے کھٹ سے فون بند کر دیا۔ غصہ اتنا ابل رہا تھا کہ فرشتے سے بھی بات کرنے کو جی نہیں چاہا تھا۔
فون کی گھنٹی پھر سے بجنے لگی، مگر وہ سر جھٹک کر میز کی طرف بڑھ گئی جہاں جھاڑ پونچھ کا رومال اس کا انتظار کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

بیوٹیشن نے کام دار دوپٹہ اس کے سر پہ رکھا، اور پھر اسے ایک ہاتھ سے پکڑے، وہ جھک کر ڈریسنگ ٹیبل سے پنیں اٹھانے لگی۔ محمل بت بنی اسٹول پہ بیٹھی سامنے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی، بیوٹیشن اس کے پیچھے کھڑی اس کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔
وہ کام دار شلوار قمیص گہرے سرخ رنگ کی تھی جس پہ سلور سلمٰی ستارے کا کام تھا۔ دوپٹے کے بارڈر پہ بھی چوڑی پٹی کی صورت میں سلور کام کیا گیا تھا۔ ساتھ میں نازک سا وائٹ گولڈ اور روبی کا نیکلس تھا اور ایک خوب صورت قیمتی سا نیکہ جس میں بڑا سا سرخ روبی جڑا تھا، اس کے ماتھے پہ سجا تھا۔ جانے تائی نے کب یہ سب بنوایا تھا، وہ بھی چپ چاپ ہر چیز پہنتی گئی۔
گھر میں ہونے والے ہنگاموں سے کہیں نہیں لگتا تھا کہ مسرت کو مرے ابھی بیس دن بھی نہیں ہوئے، مگر وہ شکوہ کس سے کرتی؟ مسرت کی زندگی میں بھی ان کی اتنی اہمیت کہاں تھی کہ مرنے کے بعد کوئی انہیں یاد رکھتا؟ اور سنا تھا، آج تو فواد بھی آ گیا تھا، پھر کاہے کا ماتم؟
وہ اپنے کمرے کے بجائے تائی کے کمرے میں تھی، تاکہ وہ ٹھیک سے تیار ہو جائے۔ اسے تیار کرنے کے لیے تائی نے وہ ماہر بیوٹیشن لڑکی بلوائی تھی جو کافی دیر سے اس پہ لگی ہوئی تھی۔
دفعتاً باہر لاؤنج سے چند آوازیں گونجیں۔ وہ ذرا سی چونکی، کیا فواد آ گیا تھا؟ مگر نہیں، یہ آواز تو۔۔۔
"سنو، یہ دروازہ تھوڑا سا کھول دو۔" بے چینی سے اس نے بیوٹیشن سے کہا، تو وہ سر ہلاتی آگے بڑھی اور لاؤنج میں کھلنے والا دروازہ آدھا کھول دیا۔
سامنے لاؤنج کا منظر آدھا نظر آ رہا تھا اور اس کا شک

FIAZ AHMED
FreePdfBooks.com

درست تھا۔
"تم۔۔۔ تم اِدھر کیوں آئی ہو؟" تائی مہتاب کی تلملاتی بلند آواز اندر تک سنائی دے رہی تھی۔
"فکر مت کریں، میں رنگ میں بھنگ ڈالنے نہیں آئی، محمل کی شادی ہے، میرا آنا فرض بنتا تھا۔" وہ اطمینان سے کہتی سامنے صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ ادھ کھلے دروازے سے وہ محمل کو صاف نظر آرہی تھی۔
سیاہ عبایا کے اوپر سیاہ حجاب کے تنگ ہالے کو چہرے کے گرد لپیٹے وہ اب بے نیازی سے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔
محمل نے لمحے بھر کو محسوس کرنا چاہا کہ اسے فرشتے کے آنے سے خوشی ہوئی ہے، مگر اسے اپنے محسوسات بہت جامد لگے تھے، برف کی طرح ٹھنڈے۔
اندر باہر خاموشی ہی خاموشی تھی۔ فرشتے آئے، یا فواد اب اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔
"مگر ہم تمہارا اس گھر سے کوئی رشتہ تسلیم نہیں کرتے۔"
"نہ کریں، مجھے پروا نہیں ہے۔" وہ اب ہاتھ میں پکڑے موبائل کے بٹن دباتی اس کی طرف یوں متوجہ تھی جیسے سامنے غصے سے بل کھاتی تائی مہتاب کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ فرشتے کے پاس موبائل نہیں تھا، وہ شاید ہمایوں کا موبائل لے کر آئی تھی۔
"دیکھو لڑکی! تمہارا محمل سے کوئی تعلق نہیں ہے، بہتر ہے کہ تم چلی جاؤ اس سے پہلے کہ میں گارڈ کو بلواؤں۔"
"پھر آپ گارڈ کو بلوالیں، کیونکہ میں تو ایسے جانے والی نہیں ہوں، سوری۔"
"تم کیسے نہیں جاؤ گی، تمہارا تعلق۔۔۔"
"مسز کریم! میں موبائل پہ بزی ہوں، آپ دیکھ رہی ہیں، مجھے ڈسٹرب مت کریں، اور پلیز محمل کو بلا دیں۔"
وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی موبائل پہ چہرہ جھکائے ہوئے مصروف تھی، محمل کے لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ چھو گئی۔ فرشتے بدتمیز یا بدلحاظ نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ازلی ٹھنڈے اور باوقار انداز میں تائی کو بہت آرام سے جواب دے رہی تھی۔ البتہ محمل بدتمیزی کر جاتی تھی، اسے لگتا تھا وہ کبھی بھی فرشتے کی طرح پراعتماد اور باوقار نہیں بن سکے گی۔
"محمل تم سے نہیں ملے گی، تم جاسکتی ہو۔"
آغا جان کی آواز پہ موبائل پر مصروف فرشتے نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ سامنے سے چلے آرہے تھے۔ کلف لگے شلوار قمیص میں ملبوس کمر پہ ہاتھ باندھے وہ غیض و غضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔
"السلام علیکم کریم چچا!" وہ موبائل رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ ازلی اعتماد اور سکون تھا۔
"فرشتے! تم یہاں سے جاسکتی ہو۔"
"آپ مجھے نکال سکتے ہیں؟" وہ ذرا سا مسکرائی۔
"آپ کو لگتا ہے کریم چچا کہ آپ مجھے نکال سکتے ہیں؟"
"میں نے کہا، یہاں سے جاؤ۔" وہ ایک دم غصے سے دھاڑے تھے۔
"میں بھی اتنا ہی اونچا چیخ سکتی ہوں، مگر میں ایسا نہیں کروں گی، میں یہاں یہ کرنے نہیں آئی، میں صرف محمل سے ملنے آئی ہوں۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے پراعتماد سی ان کے سامنے کھڑی تھی۔
لاؤنج میں سب اکٹھے ہونے لگے تھے۔ لڑکیاں ایک طرف کھڑی لاعلم سی اشاروں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں، اسد چچا، غفران چچا، فضہ چچی اور ناعمہ چچی بھی وہیں آگئی تھیں، حسن بھی شور سن کر سیڑھیوں سے اتر آیا تھا۔ لاؤنج کے بیچوں بیچ آغا جان کے سامنے کھڑی وہ دراز قد سیاہ عبایا والی لڑکی کون تھی؟ بہت سی آنکھوں میں سوال تھا۔
"تمہارا محمل سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ تم سے نہیں ملے گی، سنا تم نے؟"
"آپ یہ ہی بات محمل کو بلوا کر پوچھ لیں نا کریم چچا! کہ وہ مجھ سے ملے گی یا نہیں۔"
"ہم تمہیں نہیں جانتے کہ تم کون ہو، کہاں سے اٹھ کر آگئی ہو۔ تم فوراً نکل جاؤ، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"آغا جان! یہ کون ہیں؟" حسن الجھا ہوا آگے بڑھا۔
"تم بیچ میں مت بولو۔" انہوں نے پلٹ کر اتنی بری طرح سے جھڑکا کہ حسن خائف سا ہو گیا۔
"ہٹو۔" بیوٹیشن کا ہاتھ ہٹا کر وہ اٹھی اور کامدار دوپٹہ سنبھالتی ننگے پاؤں باہر کو لپکی۔
"آپ مجھ سے ملنے آئی ہیں؟" لاؤنج کے سرے پہ وہ رک کر بولی تو سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ فرشتے ذرا سا مسکرائی۔
"کریم چچا کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے نہیں ملو گی؟"
"محمل! تم اندر جاؤ۔" تائی مہتاب پریشانی سے آگے بڑھیں۔
"آغا جان! تائی اماں! فرشتے کو میں نے خود شادی میں انوائیٹ کیا ہے، آپ گھر آئے مہمان کو کیسے نکال سکتے ہیں؟"
"تم نے؟" تائی مہتاب بھونچکی رہ گئیں۔ "تم جانتی ہو اسے؟"
"ہاں۔ میں انہیں جانتی ہوں۔"
"اور یہ کیسے نہیں جانتی ہوں گی، ان کے اس عاشق کی عزیزہ ہیں نا یہ۔"
کوئی تمسخرانہ انداز میں کہتا سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ محمل نے چونک کر گردن اٹھائی۔ وہ فواد تھا۔ ہشاش بشاش، چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ لیے، وہ ان کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔
"یہ کون ہیں؟" فرشتے نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھ کر محمل کو مخاطب کیا۔
"یہ اس ملک میں قانون کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن کو قانون زیادہ دیر تک حراست میں نہیں رکھ سکتا۔"
ایک جتاتی نظر فواد پہ ڈال کر اس نے چہرہ موڑ لیا تھا۔ "آپ اندر آجائیں فرشتے! بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"
"ہرگز نہیں۔" تائی تیزی سے آگے بڑھیں۔
"محمل! یہ لڑکی فراڈ ہے، یہ صرف ابراہیم کی جائیداد کے پیچھے ہے۔"
"وہ تو آپ بھی ہیں مہتاب آنٹی! اور شاید اسی لیے آپ محمل کو سوبنا رہی ہیں؟"
اس نے فرشتے کو کسی سے اتنی دو دو شتی سے بات کرتے آج پہلی بار دیکھا تھا، مگر اسے حیرت نہیں ہوئی تھی۔
"یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے، تم بیچ میں مت بولو۔"
"میں بیچ میں بولوں گی، محمل کے لیے میں ضرور بولوں گی۔" وہ پلٹی اور محمل کو دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔
"محمل! مجھے بتاؤ، ان لوگوں نے تمہارے ساتھ زبردستی کی ہے؟ یہ تمہیں کیوں مجبور کر رہے ہیں اس شادی پہ۔"
"مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا، یہ میرا اپنا فیصلہ ہے، میں اس پہ خوش ہوں۔"
فرشتے ایک دم چپ سی رہ گئی۔ اس کے شانوں پہ اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔
"سن لیا تم نے؟ اب جاؤ۔" آغا جان نے استہزائیہ سر جھٹکا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا، مگر وہ ان کی طرف متوجہ نہ تھی۔
"محمل، تم نے اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کر لیا؟" وہ دکھ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "جب کسی کو اپنا مخلص دوست کہا جاتا ہے اور اپنے دوست کی محبت اور خلوص کے دعوے کیے جاتے ہیں تو اتنے بڑے فیصلوں سے قبل اسے مطلع بھی کیا جاتا ہے۔"
"میں آپ کو بتانے ہی۔۔۔"
"میں اپنی بات نہیں کر رہی۔"
"پھر؟ کون؟" وہ چونکی۔ "کیا ہمایوں؟" اس کا نام اس نے بہت آہستہ سے لیا تھا۔
"میں۔۔۔" وہ مزید اس کے قریب آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے دھیرے سے بولی۔ "میں اس مصحف کی بات کر رہی ہوں جس کے اتارنے والے سے تم نے سمعنا واطعنا (ہم نے سنا اور ہم نے

FIAZ AHMED
Scan & PDF
friendskorner.com

اطاعت کی) کا وعدہ کیا تھا۔ کیا تم نے اسے بتایا؟"

"فرشتے!" وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اللہ کو سب پتا ہے' میں کیا بتاؤں؟"

"کیا تمہیں دن میں پانچ بار اسے اپنی اطاعت کا بتانا نہیں پڑتا؟ پھر اپنے فیصلوں میں تم اسے کیسے بھول سکتی ہو؟"

محمل ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فرشتے کیا کہہ رہی ہے' کیا سمجھنا چاہ رہی ہے۔

"مگر میں نے نماز' تسبیح' کچھ نہیں چھوڑا' میں ساری نمازیں پڑھتی ہوں۔" وہ دونوں بہت مدھم سرگوشیوں میں بات کر رہی تھیں۔

"لیکن کیا تم نے اس کی سنی؟ اس نے کچھ تو کہا ہوگا تمہارے فیصلے پر۔" فرشتے نے ابھی تک اسے کندھوں سے تھام رکھا تھا اور وہ یک ٹک اسے تکے جا رہی تھی۔

"محمل! تم اس کی بات سنتیں تو سہی' اس سے پوچھتیں تو سہی! تم قرآن کھولو اور سورہ مائدہ کا ترجمہ دیکھو۔" اس کی آواز میں تاسف گھل گیا۔ محمل نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹائے' اسے لگا' اس سے غلطی ہو گئی ہے۔

"میں ابھی آتی ہوں' آپ جائیے گا نہیں۔"

وہ کام دار دوپٹے کا پلو انگلیوں سے تھامے ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی کمرے کی طرف گئی۔

"محترمہ! آپ جا سکتی ہیں۔" فواد نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ میرے باپ کا گھر ہے' اس میں ٹھہرنے کے لیے مجھے آپ کی اجازت نہیں چاہیے۔" وہ رکھائی سے کہتی صوفے پہ بیٹھی اور پھر سے موبائل اٹھا لیا۔

فواد اور آغا جان نے ایک دوسرے کو دیکھا' نگاہوں میں۔ اشاروں کا تبادلہ کیا اور پھر آغا جان بھی گہری سانس لیتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گئے۔ تقریب کے شروع ہونے میں دو ڈھائی گھنٹے رہتے تھے۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔

محمل دوڑتے قدموں سے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ دروازے کی چٹخنی چڑھا کر وہ شیلف کی طرف لپکی۔

سب سے اوپر والے خانے میں اس کا سفید جلد والا مصحف رکھا تھا۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے اوپر رکھا' مصحف اٹھایا اور آہستہ سے اسے دونوں ہاتھوں میں تھامے اپنے چہرے کے سامنے لائی' اسے سب یاد رہا تھا' صرف یہ بھول گیا تھا کیوں؟

وہ اسے مضبوطی سے پکڑے بیڈ پہ آ بیٹھی اور کور کھولا۔

وہ سورہ مائدہ کی 106 آیت تھی۔

"اے ایمان والو' جب تم میں کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو۔"

چند الفاظ پڑھ کر ہی اس کا دل بری طرح سے دھڑکا۔ اس نے زور سے پلکیں جھپکیں' کیا وہ سب کچھ واقعی ادھر لکھا تھا؟ وصیت۔۔۔ موت کا وقت' وصیت

"مسرت نے مرتے وقت وصیت کی تھی۔۔۔"

"تمہارا رشتہ و سیم سے۔۔۔" بہت سی آوازیں ذہن میں گڈمڈ ہونے لگیں۔ وہ سر جھٹک کر پھر سے پڑھنے لگی۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لیے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر لوگوں ہی میں سے دو گواہ لے لیے جائیں پھر اگر (ان کی بتائی ہوئی وصیت میں) کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو (مسجد میں) روک لیا جائے اور وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم کسی فائدے کے عوض شہادت بیچنے والے نہیں ہیں اور خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (ہم اس کی رعایت کرنے والے نہیں) اور نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں' اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گاروں میں شمار ہوں گے۔"

وہ ساکت سی ان الفاظ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ قرآن کو تھامے دونوں ہاتھ بے جان سے ہو گئے تھے۔ کیا وہ سب واقعی یہاں لکھا تھا؟ مگر۔۔۔ مگر کیسے؟ وصیت۔۔۔ دو افراد کی قسم کھا کر گواہی۔۔۔ رشتہ دار یہ سب تو۔۔۔ یہ سب تو اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔

وہ پلک تک نہ جھپک پا رہی تھی۔ اس کا دل جیسے رعب سے بھر گیا تھا۔ رعب سے اور خوف سے۔ یکایک اسے لگا اس کے ہاتھ کپکپا رہے ہیں' اسے ٹھنڈے پسینے آرہے ہیں' وہ بہت بھاری کتاب تھی' بہت بھاری' بہت وزنی' وہ جس کا بوجھ پہاڑ بھی نہ اٹھا سکتے ہوں' وہ کیسے اٹھا سکتی تھی؟ اسے لگا اس کی ہمت جواب دے جائے گی۔ وہ اب مزید یہ بوجھ نہیں اٹھا پائے گی۔ وہ عام کتاب نہیں تھی' اللہ کی کتاب تھی۔ اسے اللہ نے اس کے لیے' خاص اس کے لیے اتارا تھا۔ ہر لفظ ایک پیغام تھا۔ ہر سطر ایک اشارہ تھی۔ اس نے اتنی زندگی ضائع کر دی۔ اس نے یہ پیغام کبھی دیکھا ہی نہیں۔

"محمل! تم نے اتنی عمر بے کار گزار دی۔ یہ کتاب غلاف میں لپیٹ کر بہت اوپر سجانے کے لیے تو نہ تھی۔ یہ تو پڑھنے کے لیے تھی۔"

ہر دفعہ کی طرح آج پھر اس کتاب نے اسے بہت حیران کیا تھا۔ سوچنا سمجھنا تو دور کی بات' وہ تو متحیر سی ان الفاظ کو تکے جا رہی تھی' یہ سب کیا تھا؟ کیسے اس کتاب کو سب پتا ہوتا تھا؟

"کیونکہ یہ اللہ کی کتاب ہے' نادان لڑکی! یہ اللہ کی بات ہے' اس کا پیغام ہے' خاص تمہارے لیے' تم لوگ نہ سننا چاہو تو یہ الگ بات ہے۔" کسی نے اس کے دل سے کہا تھا۔

"وہ کون تھا؟ وہ نہ جانتی تھی۔"

دروازے کھلنے کی آواز پہ سب نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ وہ آہستہ سے چلی آرہی تھی۔ کام دار دوپٹے کا کنارہ ٹھوڑی کے قریب سے اس نے دو انگلیوں میں لے رکھا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت قدرے سفید پڑی ہوئی تھی یا شاید یہ کچھ اور تھا جو انہیں چونکا گیا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"آغا جان!" اس نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اس کے اجنبی لہجے پہ چونک سے گئے۔

"ہاں' بولو۔"

"میری ماں کی وصیت کے وقت موجود لوگوں میں سے کون سے دو لوگ عصر کی نماز کے بعد اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر گواہی دیں گے کہ انہوں نے یہ وصیت کی تھی یا نہیں؟"

پل بھر کو لاؤنج میں سکوت سا چھا گیا' فرشتے نے مسکراہٹ دبا کر سر نیچے کر لیا۔

آغا جان حیران سے کھڑے ہوئے۔

"کیا مطلب؟"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول
دل کے موسم
قیمت 250 روپے
مریم عزیز
ننگے پاؤں
قیمت 250 روپے
نگہت سیما
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37، اردو بازار، کراچی

"آپ کو پتا ہے سورۂ مائدہ میں لکھا ہے نماز کے بعد آپ میں سے دو لوگوں کو اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر گواہی دینی پڑے گی۔"

"کیا بکواس ہے؟" وہ حسبِ توقع بھڑک اٹھے۔ "تمہیں ہماری بات کا اعتبار نہیں ہے؟"

"نہیں ہے!"

"تم!" وہ غصہ ضبط کرتے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے۔ تب ہی نگاہ فرشتے پہ پڑی تو اس نے فوراً" شانے اچکا دیے۔

"میں نے تو کچھ نہیں کیا کریم چچا!"

"تم سے تو میں بعد میں۔۔۔"

"آپ لوگ گواہی دیں گے یا نہیں؟" وہ ان کی بات کاٹ کر زور سے بولی تھی، پھر چہرے کا رخ صوفوں پہ بیٹھے نفوس کی طرف موڑا۔ "کون کون تھا اس وقت آپ میں سے ادھر؟ کون دے گا گواہی؟ کون اٹھائے گا قسم، بولیے، جواب دیجیے۔"

سب خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اسے اس کے سارے جواب مل گئے تھے۔ کاش وہ پہلے اس آیت کو پڑھ لیتی تو اتنا غلط فیصلہ نہ کرتی، صحیح کہتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری بہت سی مصیبتیں ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہیں۔

"تو آپ لوگوں نے مجھ سے جھوٹ بولا، بہت بہتر۔ مجھے اب کوئی شادی نہیں کرنی۔" اس نے ماتھے پہ جھولتا ٹیکا نوچ کر سامنے پھینکا۔ نازک سا ٹیکہ ایک آواز کے ساتھ میز کے شیشے پہ گرا۔

"اب میرا فیصلہ بھی سن لو۔" آغا جان نے ایک گہری سانس لی۔ "مگر پہلے تم لڑکی!" انہوں نے حقارت سے فرشتے کو اشارہ کیا۔ "تم مجھے یہاں سے چلتی نظر آؤ۔"

"میرے باپ کا گھر ہے، میں تو کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے فواد۔" انہوں نے فواد کو اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کر آگے بڑھا اور صوفے پہ بیٹھی فرشتے کو ایک دم بازو سے کھینچا۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھی، بے اختیار چلا کر خود کو چھڑانے لگی، مگر وہ اسے بازو سے کھینچ کر گھسیٹتا ہوا باہر لے جانے لگا۔ اسی پل آغا جان محمل کی طرف بڑھے۔

"تو تم یہ شادی نہیں کرو گی؟"

"ہاں ہرگز نہیں کروں گی۔ میری بہن کو چھوڑو۔" وہ غصے سے فواد پہ جھپٹنا ہی چاہتی تھی جو فرشتے کو زبردستی باہر لے کر جا رہا تھا، مگر اس سے پہلے ہی آغا جان نے اس کو بالوں سے پکڑ کر واپس کھینچا۔

"تو تم شادی نہیں کرو گی؟" انہوں نے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ وہ چکرا کر گری۔

"تمہیں لگتا ہے ہم پاگلوں کی طرح تمہاری منتیں کریں گے؟ تمہارے آگے ہاتھ جوڑیں گے؟ نہیں بی بی شادی تو تمہیں کرنی پڑے گی، ابھی اور اسی وقت۔ اسد! نکاح خواں کو ابھی بلواؤ۔ میں بھی دیکھتا ہوں یہ کیسے شادی نہیں کرتی۔"

"میں نہیں کروں گی، سنا آپ نے۔" وہ روتے ہوئے بولی، وہ مسلسل اسے تھپڑوں اور مکوں سے مار رہے تھے۔

"میری بہن کو چھوڑ۔" خود کو چھڑاتی فرشتے محمل کو پٹتے دیکھ کر لمحے بھر کو تو سکتہ میں رہ گئی تھی، اور پھر دوسرے ہی پل اس نے زور سے فواد کو دھکا دینا چاہا، مگر وہ مرد تھا، وہ اس کو دھکیل نہ سکتی تھی، وہ اس کا بازو پکڑتے ہوئے اسے دروازے سے باہر نکال رہا تھا۔

"فواد! اسے چھوڑو۔" یکدم حسن نے پوری قوت سے فواد کو پیچھے دھکیلا تھا۔ فواد اس حملے کے لیے تیار نہ تھا، ایک دم بوکھلا کر وہ پیچھے کو ہٹا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑی، اور فرشتے بازو چھڑاتی محمل کی طرف بھاگی، جسے آغا جان ابھی تک مار رہے تھے۔ فواد نے غصے سے حسن کو دیکھا مگر اس سے پہلے کہ اسے کچھ سخت کہتا، فضہ نے حسن کو بازو سے کھینچ کر ایک طرف کر دیا۔

"میری بہن کو چھوڑیں، ہٹیں۔" وہ چیختی ہوئی آغا جان کا ہاتھ روکنے لگی، مگر انہوں نے ساتھ ہی ایک زوردار طمانچہ اس کے چہرے پہ مارا۔ فرشتے تیورا کر ایک طرف کو گری۔ منہ میز کے کونے سے لگا۔ ہونٹ کا کنارہ پھٹ گیا۔ لمحے بھر کو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا، اگلے ہی منٹ وہ خود کو سنبھال کر تیزی سے اٹھی۔

محمل اپنے بازو چہرے پہ رکھے، روتی ہوئی اپنا کمزور سا دفاع کر رہی تھی۔ اب کی بار فرشتے نے آغا جان کا ہاتھ نہیں روکا، بلکہ محمل کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا۔ محمل گٹھڑی بنی چند قدم پیچھے کھنچتی گئی۔ اس کا دوپٹہ سر سے اتر کر پیچھے ڈھلک گیا تھا، بالوں کی لٹیں جوڑے سے نکل کر چہرے پہ بکھر گئیں۔

اس سے پہلے کہ آغا جان اپنے اور محمل کے درمیان چند قدم کا فاصلہ عبور کر پاتے، فرشتے ان کے بیچ آ کھڑی ہوئی۔

"ہاتھ مت لگائیے میری بہن کو۔" اپنے پیچھے گٹھڑی بنی محمل کے سامنے اپنے دونوں بازو پھیلائے وہ چیخ پڑی تھی۔ "آپ لوگ اس حد تک گر جائیں گے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیا بگاڑا ہے اس نے آپ کا؟"

"سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ تم آج میرے ہاتھوں ختم ہو جاؤ گی!" وہ غصے سے ایک قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ فواد نے ان کا بازو تھام لیا۔

"آرام سے آغا جان! آپ کا بی پی شوٹ کر جائے گا۔" ان کو سہارا دے کر وہ نرمی سے بولا تھا۔ محمل ابھی تک گھٹنوں پہ سر رکھے رو رہی تھی، جبکہ فرشتے اس کے آگے اپنے بازو پھیلائے راستہ روکے کھڑی تھی۔ فواد چاہتا تو اس کو پھر پکڑ لیتا، مگر جانے کیوں وہ آغا جان کو سہارا دیے وہیں کھڑا رہا۔ اس کی طرف نہیں بڑھا۔

"میں اب محمل کو ادھر نہیں رہنے دوں گی۔ اٹھو محمل! اپنا سامان پیک کرو، اب تم میرے ساتھ رہو گی۔ چلو۔" اس نے محمل کو اٹھانا چاہا مگر وہ ایسے ہی گری روتی جا رہی تھی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے، آپ اسے اپنے ساتھ لے گئیں تو ہم خاندان والوں کو کہیں گے کہ محمل کی نام نہاد بہن اسے لے گئی اور بس؟" محمل کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے اس کے ہاتھ ایک ثانیے کو تھم گئے۔ اس نے قدرے الجھ کر سر اٹھایا اور فواد کو دیکھا۔ چہرے پہ چھایا غصہ آہستہ سے الجھن میں ڈھلا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ محمل تو وہ لڑکی ہے نا جو ایک رات پہلے بھی گھر سے باہر رہ چکی ہے؟ تو اس کے لیے اگر خاندان والوں کو یہ بتایا جائے کہ یہ نکاح سے پہلے کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے تو وہ فوراً" یقین کر لیں گے نا؟"

اس کے چہرے پہ شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔

"نہیں۔" محمل نے تڑپ کر آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"تمہارے نہیں کہنے سے یہ بدنامی ٹل تو نہیں جائے گی ڈیر کزن! تم اپنی بہن کے ساتھ گئیں تو ہم تمہیں پورے خاندان میں بدنام کر دیں گے۔ اور پھر یہ تمہیں کتنا عرصہ سنبھالے گی؟ اس کے بعد تم کہاں جاؤ گی؟"

محمل پھٹی پھٹی نگاہوں سے فواد کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ خود فرشتے بھی سن رہ گئی۔

"اگر تم نے اس گھر سے قدم بھی نکالا تو تم بدنام ہو جاؤ گی۔ پورا خاندان تھوکے گا تم پر کہ ماں کے مرتے ہی کھلی چھوٹ۔۔۔"

"نہیں، نہیں۔۔۔ میں نہیں جاؤں گی۔" وہ خوف زدہ سی گھٹی گھٹی آواز میں بمشکل بول پائی۔

"یعنی تم وسیم سے شادی کرنے پہ تیار ہو۔ ویری گڈ کزن!"

وہ اسی عیاری سے مسکرایا۔ "اسد چچا یقیناً" نکاح خواں کو لاتے ہی ہوں گے۔ وسیم کدھر ہے؟ کوئی اسے بھی بلائے۔"

باقی آئندہ شمارے میں

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

مصحف

محمل ابراہیم' آغا ابراہیم اور مسرت بیگم کی خوب صورت اور طرح دار بیٹی ہے۔ بچپن میں ہی آغا ابراہیم کے انتقال کے بعد تایا آغا کریم اور چچاؤں کے رحم و کرم پر ہے۔ مسرت سیدھی سادھی خاتون تھیں۔ اس لیے اپنی سسرال کو گھر اور کاروبار پر قبضہ کرنے سے روک نہیں پائیں۔ جس کا قلق محمل کو ہے۔ گھر والوں خصوصاً" تائی مہتاب کا رویہ ماں بیٹی کے ساتھ بے حد ناروا ہے۔ اپنے تعلیمی اخراجات و ضروریات کے لیے محمل ٹیوشن سینٹر میں پڑھاتی ہے۔

آغا ابراہیم کے اس محفل نما گھر میں آغا کریم اور مہتاب تائی 'فواد' حنان' وسیم' سدرہ اور مہرین کے ساتھ مقیم ہیں۔ آغا ابراہیم کے بڑواں بھائی آغا غفران اور فضہ چچی کے تین بچے حسن' ندا اور سامیہ ہیں۔ سب سے چھوٹے آغا اسد اور ناعمہ بالائی منزل پر رہائش پذیر ہیں۔ جن کے تین بچے آرزو' معیز اور معاذ ہیں جبکہ رضیہ پھپھو کی ایک صاحبزادی فائقہ بھی ہیں۔ خاندان بھر میں تائی مہتاب اور آغا کریم کے فرزند فواد کو خاص مقام حاصل ہے۔ آرزو' فائقہ اور ندا اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہیں۔ محمل کو تائی مہتاب کے خاندان کی اس دکھتی رگ کا بخوبی اندازہ ہے۔ وہ فواد کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اسے نظر انداز کرتی ہے تو وہ اس پر چونک جاتا ہے۔ آرزو' سدرہ اور فائقہ کو اس کی خوب صورتی اور ذہانت سے حسد ہے۔

کالج جاتے ہوئے ہر روز اسے ایک پراسرار سیاہ فام لڑکی ملتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ جلد کی کتاب محمل کی توجہ کھینچتی ہے۔ وہ لڑکی محمل کو بتاتی ہے کہ اس کتاب میں ماضی' حال' مستقبل کا احوال ہے۔ اور اس میں حالات اپنے گرفت میں کرنے کا نسخہ ہے۔ محمل اسے سمجھ نہیں پاتی ہے۔ وہ لڑکی محمل سے کہتی ہے کہ ایک دن اسے اس کتاب کی ضرورت ضرور پڑے گی۔

محمل' آغا کریم کو بتاتی ہے کہ بہترین تعلیمی ریکارڈ پر اسے جلد ہی برٹش کونسل کی جانب سے لندن کی اسکالر شپ مل

Scan & PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.com

جائے گی۔ وہ راستہ صاف ہو جانے کی اس نوید پر سکون کا سانس لیتے ہیں۔ ایرونائیکل انجینئر فرقان کا رشتہ سدرہ کے بجائے محمل کے لیے دے دیا جاتا ہے تو سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ تائی مہتاب فوراً" انکار کر دیتی ہیں۔ جس پر محمل اور مسرت کو بہت رنج ہوتا ہے۔ فواد اس سے ہمدردی جتاتا ہے اور اسے فیکٹری میں آنر شپ دینے اور جاب کرنے کے لیے آغا جان سے بات کرتا ہے جس پر وہ انکار کر دیتے ہیں۔ حالات سے تنگ آکر محمل اس پر سرار لڑکی سے سیاہ جلد والی کتاب لے آتی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے قبل ہی تائی مہتاب سب کے ساتھ اسے رنگے ہاتھوں پکڑتی ہیں۔ لیکن پتہ چلتا ہے کہ یہ تو قرآن مجید ہے۔ محمل سمیت سب رنگ رہ جاتے ہیں۔ تائی مہتاب اپنی بے عزتی پر بے حد تلملائی ہیں۔ محمل غصہ میں آکر سیاہ فام لڑکی کو قرآن شریف واپس کر آتی ہے اور اسے سخت سست بھی سناتی ہے۔ اس ردِ عمل پر وہ لڑکی بجھ سی جاتی ہے۔

آغا فواد سب سے چھپ کر محمل کو فیکٹری لے جانے لگتا ہے اور اسے منع کرتا ہے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ وہ اسے بیش قیمت ملبوسات بھی دلواتا ہے تاکہ سدرہ کی منگنی پر وہ اپنی حیثیت کے مطابق نظر آئے۔ محمل اپنی سادگی میں اسے فواد کی محبت سمجھتی ہے۔ حسن، محمل کو فواد کے سائے سے بھی دور رہنے کی تنبیہہ کرتا ہے تو محمل کو برا محسوس ہوتا ہے۔ میرٹ میں ڈنر کا جھانسہ دے کر فواد، محمل کو اپنے ساتھ جانے پر آمادہ کرتا ہے۔ راستے میں کسی ڈیل کے نہ ہونے پر نقصان کا ڈراما رچا کر محمل کو کلائنٹ کے پاس بھیجتا ہے۔ وہاں جا کر محمل کو آغا فواد کے اصل چہرے کا ادراک ہوتا ہے۔ فواد نے اے ایس پی کے سامنے محمل کو بطور چارہ استعمال کیا تھا اس صورت حال پر محمل چکرا کر رہ جاتی ہے۔ وہ اسے بتاتی ہے کہ آغا فواد اس کا بھائی ہے۔

انسپکٹر ہمایوں، محمل کی آغا فواد سے بات کرواتا ہے تو وہ اسے رات اسی کے ساتھ رہنے کو کہتا ہے۔ محمل اس دھوکہ دہی پر ششدر رہ جاتی ہے۔ اس صدمے سے وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔ اسے ایک کمرے میں قید کر لیا جاتا ہے۔ لیکن وہ وہاں بذریعہ چھت بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس کو ٹھی کے برابر میں مدرسہ ہے۔ جہاں اس کی ملاقات فرشتے نامی لڑکی سے ہوتی ہے جو وہاں دین کی تعلیم دیتی ہے۔ فرشتے جان لیتی ہے کہ محمل اس وقت مشکل میں ہے۔ انسپکٹر ہمایوں اس کا کزن ہے۔ ہمایوں کے وہاں پہنچنے پر محمل کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے گھر انسپکٹر ہمایوں کے ساتھ جائے۔ کچھ سوچ کر محمل، فرشتے کی بات مان لیتی ہے۔ گھر پہنچنے پر اس کے ساتھ روایتی سلوک ہوتا اور آغا کریم اور تمام چچا اسے گھر سے نکال دینے کے درپے ہوتے ہیں کہ انسپکٹر ہمایوں کی آمد سب کو چونکا دیتی ہے۔ محمل سب کو بتاتی ہے کہ کس طرح آغا فواد نے دھوکے سے اسے ڈیل کا حصہ بنایا۔ سوائے حسن اور مسرت (ماں) کے سب اسے جھٹلاتے ہیں۔ وہ آغا فواد کی سرگرمیوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ کروا دیتی ہے۔ تائی جان اسے مارنے کو لپکتی ہیں تو سب انہیں روک دیتے ہیں۔ آغا فواد گرفتار ہو جاتا ہے۔ مصلحتاً" محمل کو گھر میں رہنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ مسرت سے محمل کی بات چیت بند ہے۔ وہ اس معاملے میں محمل کو بھی قصوروار سمجھتی ہیں۔ محمل فرشتے سے ملنے دوبارہ مدرسے جاتی ہے تو وہ اسے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ وہ اس بات کو خاص اہمیت نہیں دیتی، لیکن مصروفیت کے لیے اس کا مشورہ مان لیتی ہے۔ دینی تعلیم اسے ذہنی و روحانی سکون بخشتی ہے۔ اس دوران انسپکٹر ہمایوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسے رابطے کے لیے اپنا سیل نمبر دیتا ہے۔ وہ آغا فواد کے خلاف محمل کو وعدہ معاف گواہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ بات جب گھر والوں کے علم میں آتی ہے تو وہ محمل کو بری طرح زدوکوب کرتے ہیں۔ وہ روٹھ کر ان سب کو بددعا دیتی ہے۔ حسن گھر والوں کے اس سلوک پر ششدر رہے۔ مسرت، محمل کو آغا فواد کے خلاف وعدہ معاف گواہ بننے کا کہتی ہیں۔ محمل، انسپکٹر ہمایوں کو تمام صورتِ حال بتاتی ہے تو وہ اسے مصلحتاً" جھوٹ بولنے کا مشورہ دیتا ہے۔ تایا کریم اسے جائیداد میں حصہ دینے کا جھانسہ دیتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ شرط رکھتے ہیں کہ وہ انسپکٹر ہمایوں داؤد کے خلاف کورٹ میں بیان دے تو اسے اس کا حصہ مل جائے گا، وہ ان کا ساتھ دینے کی [illegible]

(اب آگے پڑھیے)

پانچویں قسط

"ہرگز نہیں۔" فرشتے نے غصہ میں تڑپ کر اسے دیکھا۔ "میں محمل کی شادی تمہارے بھائی سے نہیں ہونے دوں گی۔ تم لوگ یہ سب صرف اس کی جائیداد ہتھیانے کے لیے کر رہے ہو۔ میں جانتی ہوں تم شاید اس کے بعد اس سے جائیداد اپنے نام لکھواؤ گے، اسے طلاق دلا کر گھر سے نکال دو گے۔"

"ہاں بالکل، ہم یہی کریں گے۔" وہ بہت سکون سے بولا۔ گو کہ یہ بات فرشتے نے خود کہی تھی مگر اس فواد سے اعتراف کی توقع نہ تھی۔ وہ اپنی جگہ ششدر رہ گئی۔

"تو تم واقعی ــــ"

"ہاں۔ ہم اسی لیے تو محمل کی شادی وسیم سے کروانا چاہتے ہیں۔"

"فواد!" آغا جان نے تنبیہی ــــ نظروں سے اسے ٹوکنا چاہا۔

"مجھے بات کرنے دیں آغا جان!" ہاں تو محمل ہم اسی لیے تمہاری شادی وسیم سے کر رہے ہیں۔ تمہیں منظور ہے نا؟ کیونکہ فرشتے کے ساتھ تو تم جا نہیں سکتیں۔ اب تمہیں شادی تو کرنا ہی ہوگی۔"

"نہیں، نہیں۔" وہ بے اختیار وحشت زدہ چلائی۔ "میں نہیں کروں گی یہ شادی۔"

"محمل! تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ تمہیں شادی کرنا پڑے گی۔" وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہتا آہستہ آہستہ اسے چاروں طرف سے گھیر رہا تھا۔

"کاش میں تمہیں بددعا دے سکتی آغا فواد! مگر میں ظالمین قرآن میں سے ہوں، ایسا نہیں کروں گی۔ کیا تمہیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟" فرشتے نے تنفر سے اسے دیکھا۔

"میں نے کچھ غلط تھوڑی کہا ہے۔"

"تم غلط کر رہے ہو ایک یتیم لڑکی کے ساتھ۔"

"یہ تو ہم کافی سالوں سے کر رہے ہیں۔ یقین کیجیے ہم پر کبھی کوئی طوفان نوح نہیں آیا۔"

"تمہیں اس طوفان کی خبر تب ہوگی جب وہ تمہارے سر پر پہنچ چکا ہوگا۔ اللہ سے ڈرو۔ تمہیں اس یتیم پر ظلم کر کے کیا ملے گا؟"

"تو آپ اس ظلم کو اپنے حق میں کیوں نہیں بدل لیتیں؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

وہ جواب دیے بنا اس پر ایک نظر ڈالتا محمل کی طرف متوجہ ہوا جو زمین پر بیٹھی سر اٹھائے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

"ایک صورت میں ہیں تمہاری شادی وسیم سے روک دوں گا، اور چاہو تو تم اپنی بہن کے ساتھ چلی جاؤ۔ ہم خاندان والوں کو کچھ تمہیں بتائیں گے۔ پھر فرشتے جہاں چاہے تمہاری شادی کروا دے، ہم کیا پورا خاندان شریک ہوگا۔ کیا تم وہ صورت اختیار کرنا چاہو گی؟"

محمل کے چہرے پر بے یقینی اتر آئی۔ وہ بنا پلک جھپکے فواد کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"سدرہ! میری بیڈ سائیڈ ٹیبل پر جو کاغذ پڑا ہے، وہ لے کر آؤ اور ساتھ پین بھی۔" اس نے مہرین اور ندا کے ساتھ دیوار سے لگی خاموش کھڑی سدرہ کو اشارہ کیا جو اس کی بات سن کر سر ہلاتے ہوئے تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" خطرے کا الارم دور کہیں بجتا فرشتے کو سنائی دے رہا تھا۔

"یہی کہ محمل کی شادی رک سکتی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ جا سکتی ہے اگر ــــ" اس نے سیڑھیوں سے اترتی

FIAZ AHMED
Friends Kon

سدرہ کو دیکھا جو بھاگتی ہوئی آئی اور اسے کاغذ قلم پکڑا دیا۔

"اگر تم دونوں یہ پیپرز سائن کردو۔"

"یہ کیا ہے؟" فرشتے کا لہجہ محتاط تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ آپ نکاح کے وقت ڈرامہ کرنے ضرور آئیں گی اسی لیے ہم نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے ہمیں علم نہیں تھا کہ آپ محمل سے مل کر اسے کیا پٹیاں پڑھاتی ہیں؟ ہمیں سب پتا تھا محترمہ! یہ بھی کہ محمل کب کب آپ کے کزن سے ملتی رہی ہے مگر اس وقت کے لیے ہم نے آنکھ بند رکھی۔"

"آپ کی کیا شرط ہے' وہ بات کریں۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"یہ فرشتے ابراہیم اور محمل ابراہیم کا اعلان دستبرداری ہے۔ اس گھر' فیکٹری اور آغا ابراہیم کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے یہ دونوں بہنیں دستبرداری کا اعلان کرتی ہیں اور ہر چیز ہمارے حوالے کرتی ہیں۔ یہ کبھی بھی ہم سے کسی بھی موروثی ملکیت سے حصہ مانگنے نہیں آئیں گی اور آپ جانتی ہیں کہ بدلے میں ہم وسیم کی شادی محمل سے نہیں کریں گے۔ آف کورس! یہ آخری بات اس کاغذ میں نہیں لکھی گئی۔"

فرشتے کے چہرے پر پہلے الجھن ابھری پھر حیرت اور پھر واضح بے یقینی۔

"تم ـــ تم ہمیں' ہمارے حق سے' ہمارے گھر سے بے دخل کرنا چاہتے ہو؟"

"بالکل صحیح۔"

"تم ایسا کیسے کرسکتے ہو آغا فواد! تم ..." اس کی بے یقینی اور تحیر غصہ میں بدل گیا۔

"تم ہمیں ہمارے گھر سے بے دخل کیسے کرسکتے ہو؟ یہ ہمارا گھر ہے۔ ہمارے باپ کا گھر ہے' اس پر ہمارا حق ہے۔ ہمیں ضرورت ہے پیسوں کی' محمل کی پڑھائی ہے اور پھر اس کی شادی کے لیے ـــ ہمیں ان سب کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"یہ ہمارا دردِ سر ـ نہیں ہے۔ تم یہ سائن کردو تو محمل کی جان' وسیم سے چھوٹ جائے گی۔"

"مگر ہم تمہیں اپنا حق کیوں دیں؟"

"کیونکہ ان سب پر میرے شوہر اور بیٹوں کا حق ہے۔"

تائی مہتاب چمک کر کہتی آگے بڑھیں۔ "ابراہیم کی وفات کے وقت یہ بزنس دیوالیہ ہو چکا تھا۔ میرا شوہر دن رات محنت نہ کرتا تو یہ بزنس کبھی اسٹیبلش نہ ہو سکتا تھا۔"

"اگر اتنے ہی محنتی تھے آپ کے شوہر اور بیٹے تو میرے ابا کی ڈیتھ کے وقت بے روزگار کیوں پھر رہے تھے؟ اور تم؟" وہ فواد کی طرف پلٹی۔ "اور وارث تو اللہ نے بنائے ہیں ہم کیسے اپنا حق نہ لیں۔"

"فرشتے بی بی! یہ پراپرٹی تو آپ کو چھوڑنا ہی پڑے گی۔ ابھی کچھ دیر میں مہمانوں کی آمد شروع ہو جائے گی۔ شادی والا گھر ہے' ذرا سی بات کا بتنگڑ بن جائے گا اور بدنامی کس کی ہوگی؟ صرف محمل کی! اول تو اس کو وسیم سے شادی کرنی ہی پڑے گی' لیکن اگر آپ یونہی اڑی رہیں تو ٹھیک ہے' ہم خاندان میں کہہ دیں گے کہ محمل کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔ کس کا خاندان چھوڑے گا' کس کا میکا بدنامی کے باعث چھوٹے گا' آپ خود فیصلہ کرسکتی ہیں۔"

وہ کہتے کہتے ذرا دیر کو رکا۔ وہ تاسف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آغا فواد! تمہیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟"

وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ "ہم کوئی غلط بات تھوڑی کر رہے ہیں؟ اپنا حق ہی مانگ رہے ہیں۔ خیر' دوسرا آپشن یہ ہے کہ آپ اور محمل اس پہ دستخط کریں اور اپنے حصے سے دستبردار ہو جائیں۔ ہم باعزت طریقے سے شادی کینسل کردیں گے' آپ محمل کو اپنے ساتھ لے جائیے گا' آپ جس سے چاہیں جب چاہیں' اس کا نکاح کرا دیں' ہم بھرپور شرکت کریں گے' بلکہ پورا خاندان شرکت کرے گا۔ یہ گھر محمل کا میکا رہے گا' وہ جب چاہے ادھر آسکتی ہے' مگر اس کی ملکیت میں

آپ دونوں میں سے کسی کا کوئی حصہ نہیں ہوگا لیجیے!" اس نے کاغذ قلم اس کے سامنے کیے۔ "کردیجیے سائن۔"

"مگر فواد ـــ" آغا جان نے کچھ کہنا چاہا لیکن تائی مہتاب نے ان کا بازو تھام لیا۔

"اسے بات کرنے دیں' وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔"

"ہونہہ۔" فرشتے نے سر جھٹکا۔ "آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں آپ کی اس بلیک میلنگ میں آجاؤں گی؟ بلکہ آپ کو تو ـــ"

اس کی بات ابھی ادھوری تھی کہ اسے اپنے دائیں ہاتھ پہ دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ محمل اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو رہی تھی۔

اس کا کام دار دوپٹہ سر سے ڈھلک گیا تھا' بکھری بھوری لٹیں گالوں کو چھو رہی تھیں۔ آنسوؤں نے کاجل دھو ڈالا تھا۔ وہ بہ وقت فرشتے کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی' اس کے انداز میں کچھ تھا کہ اس کا ماتھا ٹھنکا اور اس سے پہلے کہ فرشتے اس کو روک پاتی' اس نے جھپٹ کر فواد کے ہاتھ سے کاغذ قلم چھینا۔

"کدھر کرنے ہیں سائن؟ بتاؤ مجھے!" وہ ہذیانی کیفیت میں چلائی تھی۔ فواد ذرا سا مسکرایا اور اپنی انگلی کاغذ پہ ایک جگہ رکھی۔

"تمہیں' محمل!" فرشتے کو جھٹکا لگا تھا۔ "ہمارے پاس کئی راستے ہیں' ہمیں ان کی بلیک میلنگ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مگر مجھے ہے فرشتے! میں اب تنگ آچکی ہوں۔ نہیں چاہیے مجھے کوئی جائیداد' کوئی مال دولت۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے لے لیں' سب لے لیں۔" وہ دھڑا دھڑ سائن کرتی جا رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے برابر گر رہے تھے۔

فرشتے ساکت سی اسے دیکھے گئی۔ اس نے تمام دستخط کر کے کاغذ اور قلم فواد کی طرف اچھال دیا۔

"لے لو سب کچھ۔ تم لوگوں کو اللہ سے ڈر نہیں لگتا۔ میں اب تم سے اپنا کوئی حق نہیں مانگوں گی۔ چھوڑتی ہوں میں اپنے سارے حقوق۔" وہ کہتے کہتے نڈھال سی صوفے پہ گر گئی اور گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ واقعی تھک چکی تھی' ٹوٹ چکی تھی۔

فواد نے کاغذ سیدھا کر کے دیکھا' پھر فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اردگرد خاموش اور بے یقین بیٹھے حاضرین پہ ایک نگاہ دوڑائی' پھر فرشتے کی طرف پلٹا۔

"محمل نے دستخط کردیے ہیں۔ اب آپ بھی کر دیں۔"

اس نے کاغذ قلم اس کی طرف بڑھایا مگر فرشتے نے اسے نہیں تھاما۔ وہ ابھی تک سکتے کے عالم میں محمل کو دیکھ رہی تھی۔

"دستخط کردو بی بی اور اسے لے جاؤ۔" تائی مہتاب نے آگے بڑھ کر اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی' پھر ناگواری سے ان کا ہاتھ ہٹایا اور فواد کے بڑھے ہاتھ کو دیکھا۔

"نہیں۔ تم محمل کو نفسیاتی طور پر گھیر کر بے وقوف بنا سکتے ہو۔ یہ چھوٹی ہے' کم عقل ہے مگر فرشتے ایسی نہیں ہے۔ میں تمہاری بلیک میلنگ میں نہیں آؤں گی۔ میں ہرگز سائن نہیں کروں گی اور میں کیوں کروں سائن؟ مجھے ضرورت ہے اپنے حصے کی' مجھے پارٹی بھی کرنا ہے۔ مجھے باہر جانا ہے' میں ـــ"

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ فواد نے کاغذ قلم میز پر پھینکا اور صوفے پر بیٹھی محمل کو گردن سے دبوچ کر اٹھایا اور اپنے سامنے ڈھال کی طرح رکھتے ہوئے جانے کہاں سے پستول نکال کر اس کی گردن پر رکھا۔

"اب بھی نہیں کروگی تم سائن؟" وہ غرایا۔

فرشتے سناٹے میں آگئی۔

فواد نے بازو کے حلقے میں اس کی گردن دبوچ رکھی تھی۔ وہ شاک کے باعث کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ سخت گرفت کے باعث اس کی آنکھیں ابل کر باہر آنے لگیں ـــ بے اختیار وہ کھانسی۔

"اپنی بہن سے کہو کہ شرافت سے سائن کردے ورنہ میں واقعی گولی چلا دوں گا اور تم جانتی ہو کہ میں قانون کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہوں۔ یہی کہا تھا نا تم نے میرے بارے میں؟" اس کے کان کے قریب

FIAZ AHMED
Scan & Uploaded By
Nemie Kohat .com

منہ لے جا کر اس نے بظاہر سرگوشی میں کہا مگر سب کے کانوں تک اس کی سرگوشی پہنچ گئی۔

سب کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ حسن نے آگے بڑھنا چاہا مگر فضہ نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"کیا کر رہے ہو' اگر اس نے گولی چلا دی تو وہ مر جائے گی۔ کیا تم یہی چاہتے ہو؟" انہوں نے بیٹے کو گھورا تو وہ بے بسی سے کھڑا رہ گیا۔

"بولو فرشتے بی بی! تم سائن کرو گی یا نہیں؟"

اس نے پستول کی ٹھنڈی نال محمل کی گردن پر چبھوئی۔ وہ سسک کر رہ گئی۔

"بولو فرشتے!" وہ زور سے چیخا۔

"نہیں!" وہ جیسے ہوش میں آئی۔ "میں سائن نہیں کروں گی۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"میں تین تک گنوں گا فرشتے! اگر میں نے گولی چلا دی تو تمہاری بہن کبھی واپس نہیں آئے گی۔"

"فرشتے پلیز.....!" محمل بلک پڑی۔ "پلیز میری خاطر فرشتے! آج آپ اپنا حق چھوڑ دیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں' اگر ضرورت پڑی تو میں بھی آپ کے لیے اپنا حق چھوڑ دوں گی۔ آئی پرامس۔"

"نہیں! میں سائن نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تین تک گنوں گا۔"

فرشتے نے دیکھا' اس کی انگلی ٹرائیگر پر مضبوط ہوئی اور وہ واقعی گولی چلانے والا تھا۔

"ایک....."

لمحہ بھر کو اس کا دل کانپا۔ اگر وہ گولی چلا دے تو محمل مر جائے گی پھر بھلے وہ ہمایوں کو بلا لے' کورٹ کچہری میں گواہیاں دیتی پھرے' کچھ بھی کر لے' اس کی بہن واپس نہیں آسکے گی۔

"دو....."

بھلے فواد کو پھانسی ہو جائے اور وہ ساری جائیداد کی مالک بن بیٹھے' اس کی بہن واپس نہیں آئے گی۔

"تین.....!"

"رکو..... !میں سائن کر دوں گی۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی "لیکن آپ کو محمل کی شادی اسی وقت وہاں کرانا ہوگی جہاں میں کہوں گی اور اس میں نہ صرف آپ سب بلکہ آپ کا پورا خاندان شریک ہو گا۔ محمل اسی گھر سے رخصت ہوگی۔"

"منظور ہے۔" فواد جھٹ بولا تھا۔ محمل پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی' فرشتے کیا کہنا چاہ رہی ہے' وہ نہیں سمجھ پائی تھی' پھر اس نے حسن کو دیکھا جو اسی طرح بے بس سا کھڑا تھا' فضہ نے سختی سے اس کا بازو تھام رکھا تھا۔ بے بس اور کمزور مرد۔ وہ جو اتنے دعوے کرتا تھا' سب بے کار گئے تھے۔

"ٹھیک ہے' پھر نکاح خواں کو بلائیے' میں ہمایوں کو بلاتی ہوں۔" اس نے جھک کر میز پہ رکھا موبائل اٹھایا۔

"ہمایوں؟ ہمایوں داؤد؟" فواد کو گویا کرنٹ لگا تھا۔

"جی' وہی۔" فرشتے تلخی سے مسکرا کر سیدھی ہوئی۔ "بولیے اب آپ کو یہ معاہدہ قبول ہے؟"

"ہمایوں داؤد؟ وہ اے ایس پی؟"

"وہ پولیس والا؟"

"نہیں' ہرگز نہیں۔" بہت سی حیران' غصیلی آوازیں ابھری تھیں جن میں سب سے بلند آغا جان کی تھی۔

"وہ شخص اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا جس نے میرے بیٹے کو جیل بھجوایا تھا' تمہیں دستخط نہیں کرنا تو نہ کرو' مگر میں محمل کی شادی کبھی اس سے نہیں کروں گا۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی کریم چچا! میں یہ معاہدہ آغا فواد کے ساتھ کر رہی ہوں' ان ہی کو بولنے دیجیے نا۔"

"مگر....."

"نہیں آغا جان! کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ بلائیے اس کو۔ ہمیں قبول ہے۔" وہ سنبھل چکا تھا' چہرے کی مسکراہٹ واپس آگئی تھی۔

"مگر فواد' یہ کل کو مکر گئی تو؟" آغا جان نے پریشانی سے اس کا شانہ پکڑ کر اپنی جانب کیا۔

"یہ نہیں مکریں گی' یہ تو ماشاءاللہ سے مسلم.....مان

ہاں۔ یہ وعدے سے نہیں پھریں گی۔" مسلمان کو توڑ کرتے ہوئے اس نے استہزائیہ مسکراہٹ فرشتے کی جانب اچھالی۔ وہ لب بھینچے تنفر سے اسے دیکھتی رہی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ بلائیے اپنے کزن کو۔ فنکشن تو آج ہونا ہی ہے۔ اسد اب تک نکاح خواں کا بندوبست کر چکا ہو گا۔" غفران چچا مصروف سے لہجے میں کہتے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کی جیسے جان چھوٹ گئی تھی۔ فضہ سے بھی اپنا اطمینان و خوشی چھپانی مشکل ہو رہی تھی۔ ان دونوں کو گویا اپنا بیٹا واپس مل گیا تھا' پھر بھی وہ حسن کا بازو مضبوطی سے تھامے کھڑی تھیں' مگر اب شاید وہ رتی بھر تڑا کر بھاگنے کے قابل نہ رہا تھا۔ اس کا تو آسرا ہی ختم ہو گیا تھا۔

"آؤ اندر چلو۔" فرشتے نے تھکے تھکے انداز میں محمل کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لیے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سب گردن موڑ کر انہیں جاتا دیکھنے لگے تھے۔ پورے گھر میں عجیب سی خاموشی دوڑ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ سب کسی خواب کی سی کیفیت میں ہوا تھا۔ شاید وہ ایک حسین خواب ہی تھا جس کی تعبیر کی اسے بہت بھاری قیمت چکانی پڑی تھی۔ بہت سارے خواب توڑنے پڑے تھے' مگر اسے اس وقت وہی صحیح لگا تھا۔ یہ نہ کرتی تو وہ لوگ اسے خاندان بھر میں بدنام کر دیتے۔ اس کے مرحوم ماں باپ کا نام اچھالا جاتا یا پھر سب سے بڑی وجہ وہ تھی' جو فواد کو بھی معلوم تھی اور جس کو اس نے استعمال کیا تھا۔ محمل کی دکھتی رگ' کہ اس کا خاندان اس کو عزت سے بیاہ دے۔ اسے دولت سے زیادہ اپنا مقام اور عزت چاہیے تھی اور فواد نے اسی دکھتی رگ کو ایسے دبایا تھا کہ اس کا دل تڑپ اٹھا تھا۔ وہ فیصلہ جذباتی تھا مگر اسے صحیح لگا تھا۔

پھر جو بھی ہوا' جیسے نیند کی حالت میں ہوا۔ فرشتے اس کا چہرہ کلینزر سے صاف کر کے بیوٹیشن کے ساتھ اس کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی' پھر وہ تائی مہتاب کے

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوائیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اے گلزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اے گلزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37- اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

FIAZ AHMED & PDF Friends Komen.com

زیور اتار کر اس کی ماں کے زیور پہنا رہی تھی' پھر وہ اس کا میک اپ کر رہی تھی' پھر وہ اس کے سینڈل کے اسٹریپ بند کر رہی تھی' پھر وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی اور پھر وہ بہت کچھ کر رہی تھی' مگر اسے آواز نہیں آ رہی تھی۔ ساری آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ سارے منظر دھندلا گئے تھے' بس وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتی بت بنی بیٹھی تھی۔

وہ خواب حسین تھا' مگر اس کا دل خالی تھا۔ سارے جذبات گویا مر سے گئے تھے۔ خواہش کے جگنو کھو گئے تھے۔

یا شاید ہمیں خوشی سے محبت نہیں ہوتی' خوشی کی "خواہش" سے محبت ہوتی ہے۔ ہماری سب محبتیں "خواہشات" سے ہوتی ہیں' کبھی کسی کو پانے کی تمنا' کبھی کوئی خاص چیز حاصل کرنے کی آرزو..... شاید محبت صرف خواہش سے ہوتی ہے' چیزوں یا لوگوں سے نہیں۔

اس نے اپنی خواہش کو اپنے پہلو میں بیٹھتے دیکھا' مگر اس کا اپنا سر جھکا تھا' سو زیادہ دیکھ نہ پائی اور اسی جھکے سر کے ساتھ نکاح نامے پہ دستخط کرتی گئی' کرتی گئی' کرتی گئی۔

جب اس کا ہاتھ تھام کر فرشتے اسے اٹھا رہی تھی تو اس نے لمحے بھر کو اسے دیکھا' جو سامنے لب بھینچے کھڑا تھا۔ براؤن شلوار کرتے میں ملبوس' سنجیدہ اور وجیہہ۔ اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ اسے اس کی سنجیدگی سے خوف آیا تھا۔ کیا وہ اس پہ مسلّط کی گئی تھی؟ ان چاہی' بے وقعت بیوی؟

اس نے بے عزتی اور توہین محسوس کرنا چاہی مگر دل اتنا خالی تھا کہ کوئی احساس بیدار نہ ہوا۔

اردگرد لوگ بہت کچھ کہہ رہے تھے مگر اس کی سماعتیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ سر جھکائے ہمایوں کی گاڑی کی بیک سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ اسے لگا اب زندگی کٹھن ہو گی' بہت کٹھن۔

☼ ☼ ☼

وہ اس جہازی سائز بیڈ کے وسط میں سر گھٹنوں پہ رکھے' گم صم سی بیٹھی تھی۔ فرشتے کچھ دیر ہوئی' اسے وہاں بٹھا کر جانے کہاں چلی گئی تھی اور ہمایوں کو تو اس نے گاڑی سے نکل کر دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ تیزی سے اندر چلا گیا تھا اور پھر دوبارہ سامنے نہیں آیا تھا۔

اس کے دل میں عجیب عجیب سے خیال آ رہے تھے۔ وہ بار بار "اعوذ باللہ" پڑھتی مگر وسوسے اور وہم ستانے لگے تھے' شاید وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا' شاید وہ اس پہ مسلّط کی گئی تھی' شاید وہ خفا تھا' شاید وہ اسے پسند ہی نہیں کرتا تھا' اب شاید اس کے پاس نہیں آئے گا' بلکہ شاید وہ بات تک نہ کرے' شاید وہ اسے چھوڑ دے' شاید وہ..... شاید۔

بہت سے شاید تھے جن کے آگے سوالیہ نشان لگے تھے۔ بار بار وہ شاید اس کے ذہن کے پردے پہ ابھرتے اور اس کا دل ڈوبنے لگتا۔ وہ مایوس ہونے لگی تھی جب دروازہ کھلا۔

بے اختیار سب کچھ بھلا کر وہ سر اٹھائے دیکھنے لگی۔

وہ اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ جانے وہ اب کیا کرے؟ وہ دروازہ بند کر کے اس کی طرف پلٹا' پھر اسے یوں بیٹھے دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔

"السلام علیکم' کیسی ہو؟"۔ آگے بڑھ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل دراز کھولی وہ خاموشی سے کچھ کہے بنا اسے دیکھے گئی۔ وہ اب دراز میں چیزیں الٹ پلٹ رہا تھا۔

"تم تھک گئی ہو گی' اتنے بڑے ٹراما سے گزری ہو۔ پریشان مت ہونا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اب نچلے دراز میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ لہجہ متوازن تھا اور الفاظ..... الفاظ پہ تو اس نے غور ہی نہیں کیا' وہ بس اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو دراز میں اِدھر اُدھر حرکت کرتے یک دم رکے تھے اور پھر اس نے ان میں ایک میگزین پکڑے دیکھا۔

(کیا اس میں گولیاں بھی ہیں؟ کیا یہ مجھے مار دے گا)

وہ عجیب سی باتیں سوچ رہی تھی۔

وہ میگزین نکال کر سیدھا ہوا۔

"آئی ایم سوری محمل! ہمیں سب بہت جلدی میں کرنا پڑا اور میں جانتا ہوں۔ تم اس سب کے لیے تیار نہیں تھیں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور وہ سانس روکے اس کے ہاتھ میں پکڑا میگزین دیکھ رہی تھی۔

"میں ابھی آن ڈیوٹی ہوں اور مجھے ریڈ کے لیے کہیں جانا ہے۔ رات فرشتے تمہارے ساتھ رک جائے گی' میں پرسوں شام تک واپس آ جاؤں گا' تم پریشان نہ ہونا۔"

وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔ عجیب شادی' عجیب سی دلہن' اور عجیب سا دولہا اسے اس کی باتیں بہت عجیب لگی تھیں۔

"تم سن رہی ہو؟" وہ اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھا بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سی چونکی۔

"ہوں جی' جی۔" بے ساختہ نگاہیں جھکا لیں۔

پھر پتا نہیں وہ کیا کیا کہتا رہا' محمل نظریں نیچی کیے سنتی رہی۔ الفاظ اس کے کانوں سے ٹکرا کر گویا واپس پلٹ رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کب خاموش ہوا' کب اٹھ کر چلا گیا' اسے تب ہوش آیا جب پورچ سے گاڑی نکلنے کی آواز آئی۔

اس نے ویران نظروں سے کمرے کو دیکھا۔ یہی وہ کمرہ تھا جس میں کبھی ہمایوں نے اسے بند کیا تھا' تب وہ سیاہ ساڑھی میں ملبوس تھی۔

آج اس نے سرخ شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ عروسی جوڑا' عروسی زیورات' وہ دلہن تھی اور پتا نہیں کیسی دلہن تھی۔ اس نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس کمرے میں یوں کبھی ہمایوں کی دلہن بن کر آئے گی۔ ہاں فواد کے خواب اس نے دیکھے تھے' مگر وہ اس کے دل کا ایک چھپا ہوا راز تھا' جس کی خبر شاید خود فواد کو بھی نہ تھی۔

"اور حسن؟" اندر سے کسی نے سرگوشی کی۔

حسن کے لیے اس کے دل میں کبھی کوئی جذبہ نہیں ابھرا تھا اور اچھا ہی ہوا۔ شام کو جب فواد نے اس کے نام کے ساتھ ہمایوں کا نام لیا تو کیسے وہ بالکل چپ ہو گیا تھا۔ وہ جو ہر موقع پہ محمل کے حق کے لیے بولتا تھا' لڑتا تھا' اتنے اہم موقع پہ یوں کیوں پیچھے ہو گیا تھا؟ وہ فیصلہ نہ کر سکی اور فرشتے اس نے کتنی بڑی قربانی دی تھی اس کے لیے۔ وہ کبھی بھی اس کا احسان نہیں اتار سکتی' وہ جانتی تھی' اس نے اپنا حق چھوڑ دیا' کاش فرشتے بھی کبھی اسے موقع دے اور وہ اس کے لیے اپنا حق چھوڑ سکے۔

اس نے تھک کر سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ اس کا دل اداس تھا' روح بوجھل تھی۔ اب اسے راحت چاہیے تھی' سکون چاہیے تھا۔ اپنے خاندان والوں کی قید سے نکلنے کے احساس کو محسوس کرنے کی حس چاہیے تھی۔ اسے غم سے نجات چاہیے تھی۔ اس نے ہولے سے لبوں کو حرکت دی اور آنکھیں موندے دھیمی آواز میں دعا مانگنے لگی۔

"یا اللہ' میں آپ کی بندی ہوں اور آپ کے بندے کی بیٹی ہوں اور آپ کی بندی کی بیٹی ہوں۔ میری پیشانی آپ کے قابو میں ہے' میرے حق میں آپ کا حکم جاری ہے' آپ کا فیصلہ میرے بارے میں انصاف پہ مبنی ہے۔ میں آپ سے سوال کرتی ہوں آپ کے ہر اس نام کے واسطے سے جو آپ نے اپنے لیے پسند کیا یا اپنی کتاب میں اتارا' یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا اپنے علم غیب میں آپ نے اس کو اختیار کر رکھا ہے' اس بات کو کہ آپ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور میری آنکھوں کا نور بنا دیں اور میرے فکر اور غم کو لے جانے کا ذریعہ بنا دیں۔"

وہ دعا کے الفاظ بار بار دہراتی گئی' یہاں تک کہ دل میں سکون اترتا گیا' اس کی آنکھیں بوجھل ہو گئیں اور وہ نیند میں ڈوب گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ دو دن فرشتے اس کے ساتھ رہی۔ ان دو دنوں میں انہوں نے بہت سی باتیں کیں' سوائے اس شام کے ڈرامے کے۔ وہ ایسا موضوع تھا کہ دونوں ہی کسی خاموش معاہدے کے تحت اس سے احتراز برت رہی

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

تھیں۔
فرشتے نے اسے بہت کچھ بتایا۔ ابا کے بارے میں، اپنی ماں کے بارے میں، ہمایوں کی امی کے بارے میں، اپنی زندگی، گھر اور پرانی یادوں کے بارے میں۔ وہ دونوں چائے کے مگ تھامے گھنٹوں لان میں بیٹھی باتیں کرتی رہتیں، چائے ٹھنڈی ہو جاتی، شام ڈھل جاتی، مگر ان کی باتیں ختم نہ ہوتیں۔
"پتا ہے محمل! ادھر لان میں ....." وہ دونوں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھیں، چائے کے مگ ہاتھ میں تھے، جب فرشتے نے بازو لمبا کر کے انگلی سے سامنے اشارہ کیا۔ "وہاں ایک جھولا تھا، بالکل کونے میں۔"
محمل گردن موڑ کر اس دیکھنے لگی جہاں اب صرف گھاس اور کیاریاں تھیں۔
"ہم بچپن میں اس جھولے پہ بہت کھیلتے تھے اور اس کے اس طرف طوطوں کا پنجرہ تھا۔ ایک طوطا میرا تھا اور ایک ہمایوں کا۔ اگر میرا طوطا اس کی ڈالی گئی چوری کھا لیتا تو ہمایوں بہت لڑتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی اتنا غصے والا تھا، مگر غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس سے بڑھ کر لونگ اور کیئرنگ بھی کوئی نہیں ہے۔"
محمل مدھم مسکراہٹ لیے سر جھکائے سن رہی تھی۔
"جب میں بارہ سال کی ہوئی تو ابا نے مجھ سے پوچھا کہ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں یا اماں کے ساتھ؟ میں وقتی طور پہ ابا کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہو گئی، مگر اس دن ہمایوں مجھ سے بہت لڑا۔ اس نے اتنا ہنگامہ مچایا کہ میں نے فیصلہ بدل دیا۔" چائے کا مگ اس کے دونوں ہاتھوں میں تھا اور وہ کہیں دور کھوئی ہوئی تھی۔
"پھر جب ہم بڑے ہوئے اور میں نے قرآن پڑھا تو ہمایوں سے ذرا دور رہنے لگی۔ وہ خود بھی سمجھ دار تھا، مجھے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالتا تھا۔ پھر میری اماں کی ڈیتھ ہوئی تو....."
دفعتاً" گاڑی کا ہارن بجا۔ وہ دونوں چونک کر اس طرف دیکھنے لگیں۔ اگلے ہی لمحے گیٹ کھلا اور زن سے سیاہ گاڑی اندر داخل ہوئی۔
"چلو، تمہارا میاں آ گیا، تم اپنا گھر سنبھالو، میں اپنا سامان پیک کر لوں۔" وہ ہنس کر کہتے ہوئے اٹھ کر اندر چلی گئی۔
محمل متذبذب سی بیٹھی رہ گئی۔ وہ گاڑی سے نکل کر اس طرف آ رہا تھا۔ یونیفارم میں ملبوس، کیپ ہاتھ میں لیے تھکا تھکا سا۔ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔
"تو تم میرے انتظار میں بیٹھی ہو، ہوں؟" وہ مسکرا کر کہتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو وہ گڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ گلابی شلوار قمیص پہ بھورے بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے وہ اداس شام کا حصہ لگ رہی تھی۔
"وہ میں....."
"کہہ دو کہ تم میرا انتظار نہیں کر رہی تھیں۔"
"نہیں۔ وہ..... چائے لاؤں؟"
"اونہوں، یہی کافی ہے۔" اس نے محمل کے ہاتھ سے مگ لیا۔ ایک گھونٹ بھرا اور مگ لیے دروازے کی طرف بڑھ گیا، پھر جاتے جاتے پلٹا۔ "فرشتے ہے؟"
"جی، وہ اندر ہیں۔"
"اوکے۔ میں شاور لے کر کھانا کھاؤں گا، تم ٹیبل لگا دو۔" وہ کہہ کر دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔
وہ چند لمحے خاموش کھڑی کھلے دروازے کو دیکھتی رہی، وہ دروازہ بند کر کے نہیں گیا تھا، کیا اس کا مطلب تھا کہ وہ اندر آ جائے؟ پہلے بھی تو وہ بغیر اجازت اس کی زندگی میں داخل کر دی گئی تھی۔ اب بھی چلی جائے تو کیا مضائقہ ہے؟
اس نے تلخی سے سر جھٹکا اور کھلے دروازے سے اندر چلی آئی۔
لاؤنج کے سرے پہ سیڑھیوں کے قریب فرشتے اور ہمایوں کھڑے تھے۔ وہ اپنے بیگ کا ہینڈل تھامے، سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹتے ہوئے انگلی سے ٹھوڑی کے نیچے اڑس رہی تھی۔
"نہیں بس، اب میں چلتی ہوں، کل مجھے کلاس

لینی ہے۔"
"کم از کم کچھ دن تو تمہیں ادھر رہنا چاہیے۔"
وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی آواز بے حد مدھم تھی، محمل کو اپنا آپ ادھر بے کار لگا تو وہ سر جھکائے کچن میں چلی آئی۔
بلقیس جا چکی تھی۔ کچن صاف ستھرا پڑا تھا۔ اس نے چولہا جلایا اور کھانا گرم کرنے لگی۔ شاید وہ بھی اس گھر میں بلقیس کی طرح تھی۔ ایک نوکرانی۔
"محمل!" فرشتے نے کھلے دروازے سے جھانکا۔ محمل نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔ وہ جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔
"آپ مت جائیں فرشتے، پلیز!" وہ بے اختیار روہانسی سی ہو کر اس کے قریب آئی۔
"اوہو، میرا کزن بہت اچھا انسان ہے۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو پاگل!"
اس نے ہولے سے اس کا گال تھپتھپایا۔ محمل چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر یکایک اس کی بھوری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ وہ جھک کر چولہے کو تیز کرنے لگی۔
"محمل! کیا ہوا ہے؟ تم مجھے پریشان لگ رہی ہو؟"
وہ ذرا فکر مند سی اس کے پیچھے آئی۔ محمل کی اس کی طرف پیٹھ تھی، فرشتے اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔
"کسی کی شادی ایسے بھی ہوتی ہے جیسے میری ہوئی؟" بہت دیر بعد وہ بولی تو آواز میں صدیوں کی یاس تھی۔ فرشتے ـــــ کچھ نہ بولی تو وہ پلٹی۔
فرشتے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا، اس نے کچھ غلط کہہ دیا ہے۔
"کیا؟" وہ گڑبڑا گئی۔
"محمل! تم!" حیرت کی جگہ خفگی نے لے لی۔
"کیا ہوا؟"
"تم بہت..... بہت ناشکری ہو محمل! بہت زیادہ!"
وہ جیسے غصہ ضبط کرتے ہوئے تیزی سے مڑ گئی۔
"فرشتے! رکیں" محمل پوکھلا کر اس کے پیچھے لپکی۔ وہ تیزی سے باہر نکل رہی تھی اس نے اسے بازو سے تھاما تو وہ رک گئی، چند لمحے ـ کھڑی رہی پھر گہری سانس لے کر اس کی طرف گھومی۔
"تمہیں ہمایوں مل گیا محمل! اب بھی ناخوش ہو؟"
وہ بہت دکھی سی ہو کر بولی تھی۔ محمل نے بے چینی سے لب کچلا۔ فرشتے اسے غلط سمجھ رہی تھی۔
"نہیں، میں صرف اس خوشی کو محسوس کرنا....."
"جسٹ اسٹاپ اٹ!" وہ بہت خفا تھی۔ محمل چپ سی ہو گئی۔ چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی، پھر فرشتے نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں شانوں پہ اپنے ہاتھ رکھے اور اسے اپنے بالکل سامنے کیا۔
"تم واقعی ناخوش ہو؟"
"نہیں۔ مگر اس سب سے میرا دل کٹ کر رہ گیا ہے۔"
"لوگوں کی روح تک کٹ جاتی ہے محمل! سب قربان ہو جاتا ہے وہ پھر بھی راضی ہوتے ہیں اور تم..... تم اب بھی شکر نہیں کرتیں؟" اس کی سنہری آنکھوں میں سرخ سی نمی ابھری تھی۔ اس کے ہاتھ ابھی تک محمل کے کندھوں پہ تھے۔
"نہیں، میں بہت شکر کرتی ہوں، مگر..... مگر بس سب کچھ بہت عجیب لگ رہا ہے جیسے....."
"بس کرو محمل!" اس نے اسف سے سر جھٹک کر اپنے ہاتھ ہٹائے اور تیزی سے بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اسے یونہی شک سا گزرا کہ وہ رو رہی تھی۔
وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ اس نے شاید فرشتے کو ناراض کر دیا تھا، لیکن وہ سچ کہتی تھی، وہ واقعی ناشکری کر رہی تھی۔ صرف زبان سے الحمد اللہ کہنا کافی نہیں ہوتا، اصل اظہار تو رویے سے ہوتا ہے۔
"کدھر گم ہو؟"
آواز پہ وہ چونکی۔ ہمایوں سامنے کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھجک سی گئی۔
"فرشتے چلی گئی؟" وہ کاؤنٹر سے ہٹ کر فریج کی طرف بڑھا اور اسے کھول کر بوتل نکالی۔
"جی۔"
"فرشتے بہت اچھی ہے نا؟" اس نے

FIAZ AHMED
Scan & PDF
Pakistanipoint.com
Pakistani Korner.com

ڈھکن کھول کر بوتل منہ سے لگائی۔

"بیٹھ کر پئیں پلیز۔" وہ خود کو کہنے سے روک نہ سکی۔ وہ بوتل منہ سے ہٹا کر ہنس دیا۔

"فرشتے نے تمہیں بھی اچھی لڑکی بنا دیا ہے۔"

"تو کیا پہلے میں بری تھی؟" وہ برا مان گئی۔

"ارے نہیں، تم تو ہمیشہ سے اچھی تھیں۔" مسکرا کر کہتے اس نے پھر بوتل لبوں سے لگائی۔ محمل نے دیکھا، وہ بیٹھا نہیں تھا، اب بھی کھڑا ہو کر پی رہا تھا۔ خود کو بدلنا بھی آسان نہیں ہوتا مگر دوسرے کو بدلنا بہت ہی کٹھن ہوتا ہے۔

"اچھا یہ بتاؤ، تمہارا دل کیوں کٹ کر رہ گیا؟"

اف! وہ بری طرح چونکی۔ وہ تو شاور لینے گیا تھا کب آکر سب سن گیا، اسے تو پتا ہی نہ چلا تھا۔

"وہ..... دراصل....." اس کا دل زور سے دھڑکا۔

"گھر سے کسی نے کال نہیں کی تو میں۔"

"وہ کیوں کریں گے کال؟ ان کی اس شادی میں مرضی شامل نہیں تھی۔ فرشتے نے بہت مشکل سے انہیں راضی کیا تھا، وہ اس بات پہ ابھی تک غصہ ہیں، آئی تھنک۔"

وہ یکدم ٹھٹک گئی۔

"فرشتے نے....." اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اس نے کتنی مشکل سے ان کو راضی کیا..... تم جانتی ہو!" وہ پھر بوتل سے گھونٹ بھر رہا تھا۔

وہ دم بخود سی اسے دیکھے گئی۔ کیا وہ کچھ نہیں جانتا؟ اسے نہیں معلوم کہ کیسے ان دونوں نے فواد کے دیے کاغذ پہ دستخط کیے تھے؟ فرشتے نے اسے کچھ نہیں بتایا؟ مگر کیوں؟

"تم فکر مت کرو، ہم نے یہ شادی ان سے زبردستی کروائی ہے، ان کو کچھ عرصہ ناراض رہنے دو۔ ڈونٹ وری۔"

تو وہ واقعی کچھ نہیں جانتا۔ وہ بتائے یا نہیں؟ اس نے لمحے بھر کو سوچا اور پھر فیصلہ کر لیا۔ اگر فرشتے نے کچھ نہیں بتایا تو وہ کیوں بتائے؟ چھوڑو، جانے دو۔

"صرف ان کے ساتھ زبردستی ہوئی ہے یا آپ کے ساتھ بھی؟"

"تو تم اس لیے پریشان تھیں؟" اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "تمہیں لگتا ہے کوئی ہمایوں داؤد کو مجبور کر سکتا ہے؟"

"مجبوراً" قائل تو کر سکتا ہے!"

"نہیں کر سکتا۔ قطعاً" نہیں۔"

"پھر آپ نے..... آپ نے کیوں شادی کی مجھ سے؟"

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں یہ کہوں کہ میں تم سے بہت محبت کرتا تھا، وغیرہ وغیرہ، تو میں ایسا نہیں کہوں گا، کیونکہ واقعی مجھے تم سے کوئی طوفانی قسم کی محبت نہیں تھی۔ ہاں۔ تم مجھے اچھی لگتی ہو اور میں نے اپنی مرضی سے تم سے شادی کی ہے اور میں اس فیصلے پہ بہت خوش ہوں۔"

اس کا انداز اتنا نرم تھا کہ وہ آہستہ سے مسکرا دی۔ دل پہ لدا بوجھ ہلکا ہوا گیا۔

"یعنی آپ خوش ہیں؟"

"آف کورس محمل! ہر بندہ اپنی شادی پہ خوش ہوتا ہے۔ بنیادی طور پہ میں بہت پریکٹیکل انسان ہوں۔ لمبی بات نہیں کرتا اور مجھے بے کار کی مبالغہ آرائی نہیں پسند۔ میں کوئی دعویٰ کروں گا، نہ وعدہ۔ یہ تم وقت کے ساتھ دیکھ لو گی کہ تم اس گھر میں خوش رہو گی۔"

وہ جیسے کھل کر مسکرا دی۔ اطمینان اور سکون اس کے رگ و پے میں دوڑ گیا تھا۔

"تم اس پہ کچھ نہیں کہو گی؟"

"میں کیا کہوں؟"

"میں بتاؤں؟"

"جی بتائیے۔" وہ بہت دھیان سے متوجہ ہوئی۔

"سالن جل رہا ہے۔"

"اوہ۔" وہ بوکھلا کر پلٹی۔ دیگچی میں سے دھواں اٹھنے لگا تھا۔ مدھم سی جلنے کی بو بھی سارے میں پھیل رہی تھی۔ اس نے جلدی سے چولہا بند کیا۔

"ویلکم ٹو پریکٹیکل لائف!" وہ مسکرا کر کہتا باہر نکل گیا۔ وہ گہری سانس لے کر دیگچی کی طرف متوجہ ہوئی۔

سالن جل گیا تھا مگر اس کے اندر ہر سو بہار چھا گئی تھی۔ وہ مسکراہٹ دبائے دیگچی اٹھا کر سنک کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"محمل..... محمل!" وہ نیچے لاؤنج میں کھڑا سر اٹھائے مسلسل اسے آوازیں دے رہا تھا۔ "جلدی کرو، دیر ہو رہی ہے۔"

"آ رہی ہوں، بس ایک منٹ۔" اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے لپ گلوس اٹھایا اور سامنے آئینے میں دیکھتے ہوئے اسے لپ اسٹک پہ لگایا، لپ اسٹک چمک اٹھی تھی۔

"محمل!" وہ پھر چلایا تھا۔

"بس! آ گئی۔" اس نے ایک عجلت بھری نگاہ سنگھار میز کے آئینے میں جھلکتے اپنے وجود پہ ڈالی۔ ٹی پنک بنارسی ساڑھی میں ملبوس، لمبے سیدھے بال کمر پہ گرائے کانوں میں چمکتے ڈائمنڈ کے ایئر رنگز، گردن سے چپکا نازک ہیروں کا سیٹ جو ہمایوں نے اسے تیمور کی پیدائش پہ دیا تھا اور کلائی میں، وائٹ گولڈ کے موتی جڑے کنگن، ساتھ مناسب سا میک اپ۔ وہ مطمئن ہو گئی۔ بیڈ پہ لیٹے تیمور کو اٹھایا اور باہر نکل آئی۔

"تم اتنی دیر کر رہی ہو، کیا ارادہ بدل گیا ہے؟" آخری فقرہ کہتے ہوئے وہ زیر لب مسکرایا۔ وہ جو تیمور کو اٹھائے سہج سہج سیڑھیاں اتر رہی تھی، مسکرا اٹھی۔

"ہرگز نہیں۔ آخر کو اپنے میکے جا رہی ہوں، ارادہ کیوں بدلوں گی؟" وہ سیڑھیاں اتر آئی ـــ وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس، بالوں کو جیل سے پیچھے کیے، وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔

"اچھے لگ رہے ہیں۔"

"تم بھی!"

"بس اتنی سی تعریف؟" اس کا چہرہ اتر گیا۔

"شادی کے ایک سال بعد اب میں اور کیا کہوں؟" وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر آئے تھے۔

"ایک سال گزر گیا ہمایوں! پتا ہی نہیں چلا۔ ہے نا؟" وہ فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے کہیں کھو سی گئی تھی۔

"ہاں، وقت بہت جلدی گزر جاتا ہے۔" وہ گاڑی سڑک پہ ڈال کر بہت دیر بعد بولا تھا۔ "یوں لگتا ہے جیسے کل ہی کی بات ہے۔"

"ہوں۔" محمل نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔

ایک سال گزر بھی گیا، یوں جیسے پتا ہی نہ چلا ہو۔ پورے ایک برس پہلے وہ بیاہ کر اس گھر سے ادھر آئی تھی، آج ایک برس بعد ہمایوں نے شادی کی سالگرہ پر اسے اسی گھر لے جانے کا تحفہ دیا تھا۔

پورا سال نہ انہوں نے اس کی خبر گیری کی، نہ ہی محمل نے کوئی فون کیا۔ شروع میں اسے غصہ تھا، پھر آہستہ آہستہ وہ غم میں ڈھل گیا اور اب..... اب اسے اپنے فرائض یاد آئے۔ صلۂ رحمی کے احکامات یاد آئے تو اس نے تہیہ کر لیا کہ اپنے رشتہ داروں سے پھر سے تعلق جوڑے گی۔ پہلے بھی یہ خیال کئی بار آیا، مگر ہمایوں جانے پہ راضی نہ ہوتا تھا، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ فواد کا کیس اندر ہی اندر دبتا گیا اور پھر ہمایوں نے ہی ایک دن اسے بتایا کہ فواد ملک سے باہر چلا گیا ہے۔ شاید آسٹریلیا۔ وہ بھی کسی حد تک سکون میں آ گئی، نہ جانے کیوں۔

ہفتہ پہلے ہمایوں کو کسی جگہ آغا کریم ملے، اس نے محمل کو بتایا کہ وہ بہت خوش دلی سے ملے اور اسے گھر آنے کی دعوت بھی دی۔ منافقت، دنیا داری اور پھر اب وہ کس چیز کا بغض چہروں پہ سجائے رکھتے؟ فواد تو باہر چلا گیا اور جائیداد انہیں مل گئی، پھر ہمایوں داؤد جیسے بندے کو داماد کہنے میں کیا مضائقہ تھا؟ بلکہ فخر ہی تھا۔

ایک تبدیلی اور بھی آئی تھی۔ فرشتے اسکاٹ لینڈ چلی گئی تھی۔ اسے قرآن سائنسز میں پی ایچ ڈی کرنا تھی، خوب سارا علم حاصل کرنا تھا، پھر اس کا تھیسز اور..... بہت کچھ۔ وہ چلی گئی تو مدرسہ میں اس کی جگہ کسی اور نے لے لی۔

اور رہی محمل تو وہ آج بھی تیمور کو لے کر فجر کی نماز

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

کے ساتھ ہی مدرسہ جاتی تھی۔ اس کے علم الکتاب کا ابھی آدھا سال رہتا تھا۔

گاڑی رُکی تو وہ چونک کر حال میں آئی۔ وہ آغا ہاؤس کے پورچ میں موجود تھی۔

وہ تیمور کو اٹھائے باہر نکلی اور گُم صُم سی اردگرد نگاہ دوڑائی۔

لان کے کونے میں مصنوعی آبشار بن چکی تھی' گھر کا پینٹ بدل چکا تھا' پورچ کے ٹائلز بھی نئے اور قیمتی تھے۔

لاؤنج کے دروازے پہ مہتاب تائی اور آغا جان کھڑے تھے۔ محمل اور ہمایوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر جیسے گہری سانس لے کر ان کی طرف بڑھے۔ شال اس نے ایک کندھے پہ ڈال لی تھی۔ بھورے سیدھے بال دونوں کانوں کے پیچھے اڑسے تھے۔ پورچ کی مدھم لائٹ میں بھی اس کے ڈائمنڈ سیٹ کے جگر جگر کرتے ہیرے چمکے تھے۔

"محمل! یہ تم ہو؟ کیسی ہو؟" تائی مہتاب پُرتپاک استقبال کے ساتھ آگے لپکی تھیں۔

"محمل! میری بیٹی....." آغا جان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ شاید انہیں احساس ہو گیا تھا کہ انہوں نے اس کے ساتھ کتنا ظلم کیا۔

دونوں چچیاں اور دوسری لڑکیاں بھی وہیں آگئیں۔ وہ ان کے ساتھ ان کے سوالوں کے جواب دیتی اندر آئی تھی۔

ایک تو ہمایوں کی شان دار پرسنالٹی' اوپر سے محمل کا بدلا' سجا سنورا' دولت اور آسائشوں کی فراوانی ظاہر کرتا سراپا۔ فضہ نے تو ازلی میٹھے انداز میں تعریف کی' البتہ ناعمہ کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنی جلن چھپا نہ پا رہی تھی۔

لاؤنج کا بھی حلیہ بدلا ہوا تھا۔ قیمتی فانوس' پردے' بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز' گو کہ پہلے بھی وہاں ہر چیز قیمتی ہوتی تھی' مگر اب تو جیسے پیسے کی ریل پیل ہو گئی تھی۔ ایک ایک کونا چمک رہا تھا۔ شاید اب انہیں کھلا اختیار جو مل گیا تھا۔

"سدرہ باجی کدھر ہیں اور آرزو؟" صوفے پہ بیٹھتے ہوئے اس نے متلاشی نگاہ ادھر ادھر دوڑائی۔

"سدرہ کی تو دسمبر میں شادی ہو گئی' وہ کینیڈا چلی گئی۔" تائی مہتاب نے فخر سے بتایا۔ چہرے پہ اسے نہ بلانے کی کوئی ندامت نہ تھی۔ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوب کر ابھرا۔ وہ غلط تھی' ان کو کوئی شرمندگی نہ تھی بلکہ نعمتوں کی بے پناہ بارش نے انہیں مزید مغرور کر ڈالا تھا۔

"مہرین کا نکاح پچھلے ماہ ہوا ہے' لڑکا ڈاکٹر ہے' انگلینڈ میں ہوتا ہے' اسی سال شادی کریں گے۔"

"اچھا۔ ماشاء اللہ!" وہ دل سے خوش ہوئی مگر اُلجھن بہرحال تھی۔ انہوں نے اس کے ساتھ کتنا ظلم کیا' پھر بھی ان کی خوشیوں میں اضافہ کیوں ہوتا چلا گیا؟

"ندا کی بھی منگنی ہو گئی۔" فضہ چچی کیوں پیچھے رہتیں۔ "وہ بھی ڈاکٹر سے' سعودیہ کی رائل فیملی کے ڈاکٹرز میں سے ہے۔ سامیہ کی بھی آج کل بات چل رہی ہے۔"

"اور آرزو؟" یونہی اس کے لبوں سے پھسل پڑا۔ نگاہ سب سے الگ بیٹھی ناعمہ چچی پہ جا پڑی۔ ان کی کوفت میں جیسے اضافہ ہوا تھا۔

"رشتوں کی لائن لگی ہے میری بیٹی کے لیے' ہر دوسرے دن کسی شہزادے کا رشتہ آجاتا ہے۔" وہ ہاتھ نچا کر' بہت چمک کر بولی تھیں۔

"مگر وہ مانے بھی تو۔" فضہ چچی نے دھیمی سرگوشی کی' آواز یقیناً" ناعمہ چچی تک نہیں گئی تھی۔ مخاطب محمل ہی تھی' جو سُن کر ذرا سی چونکی تو فضہ چچی معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

"آرزو باجی کدھر ہیں؟ نظر نہیں آرہیں؟" اس نے دوسری دفعہ پوچھا تو ناعمہ چچی اٹھیں اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے نکل گئیں۔

"انہیں کیا ہوا؟" اس نے حیرت سے تائی مہتاب کو دیکھا' جنہوں نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔

"بیٹی کا دل آگیا کسی پہ' اب مان کے نہیں دے رہی۔"

"اچھا!" اسے حیرت ہوئی۔ اسی پل سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کوئی رُکا۔ آہٹ پہ محمل نے نگاہ اٹھائی' اور پھر بے اختیار شال کا پلو سر پہ ڈال لیا۔

حسن مبہوت سا ادھر کھڑا تھا۔ کف کا بٹن بند کرتے اس کے ہاتھ وہیں رُک گئے تھے۔

"السلام علیکم حسن بھائی!" وہ خوش دلی سے مسکرائی تو وہ چونکا' پھر سر جھٹک کر آخری زینہ اترا۔

"وعلیکم السلام' کیسی ہو محمل' کب آئیں؟" وہ ان کی طرف چلا آیا تھا۔ "یہ تمہارا..... بیٹا ہے یا بیٹی؟"

"بیٹا ہے' تیمور۔" اس نے جھک کر تیمور کو پیار کیا' پھر سیدھا ہوا۔

"اکیلی آئی ہو؟"

"ارے نہیں' ہمایوں اس کے ساتھ آیا ہے' تمہارے آغا جان کے ساتھ ڈرائینگ روم میں بیٹھا ہے۔ جاؤ مل لو۔" تائی مہتاب کے کہنے پہ وہ سر ہلاتا ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"حسن بھائی کی کہیں منگنی وغیرہ نہیں کی چچی؟" وہ سادہ سے لہجے میں فضہ سے مخاطب ہوئی۔ اسے لگا وہ اس کا جوگ لیے ابھی تک بیٹھا ہو گا۔

"ارے نہیں' حسن کی تو شادی بھی ہو گئی۔ میری بھانجی طلعت یاد ہے تمہیں؟ اسی سے۔ آج کل وہ میکے گئی ہوئی ہے۔ سامیہ' سامیہ" انہوں نے بیٹی کو پکارا۔ "جاؤ حسن کی شادی کا البم لے آؤ۔"

محمل کو واقعتاً" جھٹکا لگا تھا مگر پھر سنبھل گئی۔ وہ جوگ لینے والا بندہ تو نہ تھا' کمزور مرد جو کبھی اس کے لیے مضبوط سہارا نہ بن سکتا' لیکن بھلا اسے اس کا سہارا چاہیے بھی کیوں تھا؟ کبھی بھی نہیں۔ اس کی تو حسن کے ساتھ کبھی بھی کوئی جذباتی وابستگی نہ رہی تھی' سو افسوس بھی نہ تھا۔

پھر انہوں نے اسے حسن اور سدرہ کی شادیوں کے البم دکھائے۔ وہ تو سجاوٹ اور دھوم دھام دیکھ کر حق دق رہ گئی۔ دلہنوں کے عروسی لباس اور زیورات تو ایک طرف محض ایونٹ ڈیزائننگ پہ پیسہ پانی کی طرح لٹایا گیا تھا۔ انہیں محمل نے وہ سب کچھ خود دیا تھا' اب بھلا وہ کیوں اس کا پُرتپاک استقبال نہ کرتے؟

ڈنر بہت پُرتکلف تھا۔ آغا جان اور ہمایوں کے انداز سے لگ رہا تھا ان کی گہری دوستی رہی ہے۔ کون کہہ سکتا تھا' کبھی آغا جان اس شخص کا نام نہیں سن سکتے تھے؟

بس اس کے ایک دستخط نے ساری دنیا ہی بدل ڈالی تھی' پھر بھی وہ خوش تھی۔ اسے میکے کا مان جو مل گیا تھا' چاہے منافقت کا ملمع اوڑھے' جھوٹا ہی سہی' مگر مان تو تھا نا۔

بس چند لمحوں کے لیے وہ تیمور کا بیگ لینے گاڑی تک آئی تھی اور تب اس نے لان میں کرسی پہ بیٹھی آرزو کو دیکھا تو رُک گئی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی' سو تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"بہت خوب مسز ہمایوں! خوب عیش کر رہی ہو۔"

اس کے قریب سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی وہ سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیتے بہت طنز سے بولی تھی۔ اس نے بمشکل خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا۔

"اللہ کا کرم ہے آرزو باجی! ورنہ میں اس قابل کہاں تھی؟"

"قابل تو تم خیر اب بھی نہیں ہو' یہ تو اپنی اپنی چالاکی کی بات ہوتی ہے۔"

"مجھے چالاکیاں آتی ہوتیں تو اس گھر سے ایسے ہی رخصت ہوتی جیسے سدرہ باجی ہوئیں۔"

"اوہ ڈونٹ پریٹنڈ ٹو بی انوسنٹ۔" (زیادہ معصوم بننے کی کوشش نہ کرو) وہ تیزی سے جھڑک کر بولی۔ "تم جانتی تھیں کہ ہمایوں صرف اور صرف میرا ہے' پھر بھی تم نے اس سے شادی کی۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہیں یونہی چھوڑ دوں گی؟"

"یہ ہمایوں آپ کے کب سے ہو گئے آرزو باجی؟

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

نام تک تو آپ ان کا جانتی نہیں تھیں۔ وہ بھی مجھ سے ہی پوچھا تھا۔"

"اپنی چھوٹی سی عقل پہ زیادہ زور نہ دو محمل ڈیئر۔" اس نے انگلی سے اس کی ٹھوڑی اٹھائی۔ "اور یاد رکھنا' آرزو ایک دفعہ کسی کو چاہ لے تو اسے حاصل کر کے ہی چھوڑتی ہے۔"

"کیوں؟ آرزو خدا ہے کیا؟" اس کے اندر غصہ ابلا تھا۔ بے اختیار اس نے اپنی ٹھوڑی تلے اس کی انگلی ہٹائی۔

"یہ تو تمہیں وقت بتائے گا کہ کون خدا ہے اور کون نہیں۔" وہ تمسخرانہ انداز میں کہتی مڑی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی اندر چلی گئی۔

"عجیب لڑکی ہے یہ' کسی کے شوہر پہ حق جما رہی ہے۔ اونہہ!" وہ غم و غصے سے کھولتے ہوئے واپس اندر آ گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ تمہاری کزن آرزو ـــ اس کے ساتھ کوئی دماغی مسئلہ ہے کیا؟" واپسی پہ ڈرائیو کرتے ہوئے ہمایوں نے پوچھا تھا۔ وہ بری طرح چونکی۔

"کیوں؟ کچھ کہا اس نے؟" اس کا دل ایک دم ڈر سا گیا۔

"ہاں عجیب سی باتیں کر رہی تھی۔"

"آپ کو کب ملی؟ لاؤنج میں تو آئی ہی نہیں۔"

"پتا نہیں' عجیب طریقے سے سب مردوں کے درمیان آ کر بیٹھ گئی اور مجھ سے پے در پے سوالات شروع کر دیے۔ بہت آکورڈ لگ رہا تھا مگر اس کے باپ کو تو فرق ہی نہیں پڑا۔"

"پھر؟" وہ دم بخود سی سن رہی تھی۔

"پھر حسن کو برا لگا اور اس نے اسے جھڑکا کہ اندر جاؤ' بٹ شی واز لائیک کہ میں تمہاری نوکر ہوں جو اندر جاؤں' عجیب سی سچویشن بن گئی تھی۔ میں تو فون کا بہانہ کر کے اٹھ گیا' واپس آیا تو وہ نہیں تھی۔ کوئی مسئلہ ہے اس کے ساتھ؟"

"پتا نہیں۔" وہ لب کچل کر رہ گئی۔

"ایک بات کہوں محمل!"

"ہوں' کہیے۔"

"تم یہ مت سمجھنا کہ میں لالچی ہوں مگر حق حق ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا وہ لوگ کس طرح تمہاری جائیداد پہ عیش کر رہے ہیں۔ تمہیں ان سے اپنا حصہ مانگنا چاہیے۔"

"رہنے دیں' مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی' ہمایوں شانے اچکا کر ڈرائیو کرنے لگا۔

وہ ہمایوں کو کیسے بتاتی کہ اس کے لیے وہ اپنا حق بہت پہلے ہی چھوڑ چکی ہے۔ اگر فرشتے نے چھپایا تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہو گی۔

وہ اندر سے ایک دم ہی بہت افسردہ ہو گئی تھی۔ سو بیگ میں رکھا چھوٹا قرآن نکالا جس کے سفید کور پہ "م" لکھا تھا۔

میں نے یہ ادھر کیوں لکھا ہے؟ وہ ہر دفعہ قرآن کھولنے پہ اپنا لکھا "م" پڑھ کر سوچتی اور پھر یاد نہ آنے پہ شانے اچکا کر آگے پڑھنے لگتی۔

اس نے صبح کی تلاوت پہ لگائے گئے بک مارک سے کھولا۔ سب سے اوپر لکھا تھا۔

"اور اس نے عطا کیا تم کو ہر اس چیز سے جو تم نے اس سے مانگی تھی۔ اور اگر تم شمار کرو اللہ کی نعمت کو' اسے تم شمار نہیں کر سکتے۔" بے اختیار اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کیوں مسکرا رہی ہو؟" وہ ڈرائیو کرتے ہوئے حیران ہوا تھا۔

"نہیں' کچھ نہیں۔" اس کے دل کی تسلی ہو گئی تھی' سو قرآن بند کر کے رکھنے لگی۔ اسے واقعی ہر وہ چیز مل گئی تھی جو کبھی اس نے مانگی تھی۔

"بتاؤ نا۔"

"اصل میں میرے لیے بڑی پیاری آیت اتاری تھی اللہ تعالیٰ نے' وہی پڑھ کر ان پہ بہت پیار آیا تھا۔" وہ سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"ہنسے کیوں؟"

"کم آن محمل! اٹس آل ان یور مائنڈ!"

"کیا؟" وہ حیران ہوئی اور الجھی بھی۔

"محمل! وہ آیت تمہارے لیے نہیں تھی' یہ الہامی کتاب ہے' او کے؟ اتنا casually ٹریٹ مت کیا کرو اسے۔ یہ قرآن پاک ہے۔ اس میں نماز روزے کے احکام ہیں۔ اٹس ناٹ اباؤٹ یو۔" اس نے موڑ کاٹا۔ کلی شاہراہ رات کے اس پہر سنسان پڑی تھی۔

وہ سکتے کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"تم دیکھو محمل! ایک ہی تصویر کو ہر شخص اپنے زاویے سے دیکھتا ہے۔ مثلاً" نقاد اس کی خامی ڈھونڈے گا' شاعر اس کے حسن میں کھوئے گا' سائنس دان کسی اور طرح سے اسے دیکھے گا۔ اٹس آل ان یور مائنڈ۔"

"نہیں ہمایوں! قرآن میں وہی کچھ ہوتا ہے جو میں سوچتی ہوں۔"

"اس لیے کہ تم وہی پڑھنا چاہتی ہو۔ تمہیں ہر چیز اپنے سے ریلیٹڈ لگتی ہے کیونکہ تم اسے خود سے ریلیٹ کرنا چاہتی ہو۔ محمل! یہ سب تمہارے ذہن میں ہے' یہ الہامی کتاب ہے' اس میں تمہارا ذکر نہیں ہے۔ ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔"

دفعتاً" اس کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ اس نے ڈیش بورڈ پہ رکھا موبائل اٹھایا' چمکتی اسکرین پہ نمبر دیکھا' اور پھر بٹن دبا کر کان سے لگا لیا۔

"جی رانا صاحب ـــ" وہ محو گفتگو تھا۔

محمل نے گم صم سی نگاہ گود میں سوئے تیمور پہ ڈالی اور پھر ہاتھوں میں پکڑے قرآن کو دیکھا جس کو وہ ابھی بیگ میں رکھنے ہی لگی تھی۔ اسے لگا ہمایوں کی بات نے اس کی جان نکال لی تھی' روح کھینچ لی تھی۔ وہ لمحے بھر میں کھوکھلی ہو گئی۔ اس کا دل کھوکھلا ہو گیا' خیال کھوکھلا ہو گیا۔ امید کھوکھلی ہو گئی۔

تو کیا اتنا عرصہ وہ یہ سب تصور کرتی آئی تھی' وہ وہی پڑھتی تھی جو وہ پڑھنا چاہتی تھی؟ اسے وہی دکھائی دیتا تھا جس کی خواہش ہوتی؟ وہ ہر چیز کا من چاہا مطلب نکالتی تھی؟

اس کا دل جیسے پاتال میں گرتا گیا۔ ہمایوں ابھی تک فون پہ مصروف تھا مگر اسے اس کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ سب آوازیں جیسے بند ہو گئی تھیں۔ وہ گم صم سی ہاتھوں میں پکڑے قرآن کو دیکھے گئی' پھر درمیان سے کھول دیا۔ دو صفحے سامنے روشن ہو گئے۔

پہلے صفحے کے وسط میں لکھا تھا۔

"بے شک اس (قرآن) میں ذکر ہے تمہارا ـــ"

اس سے آگے پڑھا ہی نہ گیا۔ وہ جیسے پھر سے جی اٹھی تھی۔

ساری اداسی' ویرانی ہوا ہو گئی۔ دل پھر سے منور ہو گیا۔ اب اسے کسی کا نظریہ یا رائے خود پہ مسلط نہیں کرنا تھی۔ اسے اس کا جواب نظر آ گیا تھا۔ دلیل مل گئی تھی۔

مسکراہٹ لبوں پہ بکھیرے اس نے احتیاط سے قرآن پاک سنبھال کر واپس بیگ میں رکھا اور زپ بند کی' پھر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

اسے ہمایوں سے کوئی بحث نہیں کرنا تھی۔ اسے کچھ نہیں سمجھانا تھا۔ وہ اسے سمجھا ہی نہیں سکتی تھی کہ اکثر لوگ نہیں جانتے' نہیں مانتے۔

☆ ☆ ☆

صبح نئی سی اتری تھی۔ چڑیاں چہچہاتے ہوئے اپنی منزلوں کی طرف اڑ رہی تھیں۔ رات بارش کھل کے برسی تھی' سو سڑک ابھی تک نم تھی۔ سیاہ بادل اب نیلی چادر سے قدرے سرک گئے تھے اور موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔

وہ گیٹ پار کر کے باہر نکلی تو درختوں کی باڑ کے ساتھ کاشف سائیکل دوڑاتا آ رہا تھا۔ وہ تیمور کی پرام دھکیلتی سڑک پہ آگے بڑھنے لگی۔ اس کا رخ کاشف کی طرف تھا۔

"محمل باجی! السلام علیکم۔" کاشف اسے دیکھ کر چہک اٹھا۔ تیزی سے سائیکل بھگاتا اس تک آیا۔ وہ کالونی کے ان بچوں میں سے تھا جنہیں شام کو محمل

FIAZ AHMED
Pakistanipoint.com

اپنے گھر جمع کر کے ناظرہ پڑھاتی تھی۔
"وعلیکم السلام۔ صبح ہی صبح کدھر جارہے ہو کاشف؟"
وہ رک گئی تھی۔
"ہمارے اسکول کی چھٹیاں ہوگئی ہیں نا تو صبح فارغ ہوتا ہوں۔" اس نے اپنی الٹی پی کیپ سیدھی کی۔
اب وہ سائیکل روک کر اس کے ساتھ کھڑا تھا۔
"حنان اور راحم وغیرہ کی بھی؟"
"جی باجی' سب کا آف ہوگیا ہے۔"
"تو پھر یوں نہیں کریں کہ آئندہ فجر کے بعد کلاس رکھ لیں؟"
"باجی! میں تو آجاؤں گا مگر راحم وغیرہ۔۔۔" اس نے متذبذب سے اپنے ہمسائے کا نام لیا۔
"وہ نہیں آئیں گے؟"
"آپ ان سے خود ہی پوچھ لیجئے گا۔"
کاشف بائیک دوڑاتا دور نکل گیا۔
اس کا ارادہ سامنے مدرسہ جانے کا تھا' مگر پھر نکڑ پہ چھلی والا نظر آگیا۔
بارش کے بعد کا ٹھنڈا سہانا موسم اور بھنے ہوئے دانے۔ وہ رہ نہ سکی اور پرام دھکیلتی نکڑ پہ کھڑی ریڑھی کی طرف بڑھ گئی۔
سڑک سنسان پڑی تھی۔ چھلی والا بھی خاموشی سے سر جھکائے ریت گرم کر رہا تھا۔ وہ پرام دھکیلتی آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی۔ اسے یاد آیا اس نے آج صبح کی دعائیں نہیں پڑھی تھیں حالانکہ وہ روز پابندی سے صبح و شام کی دعائیں پڑھتی تھی' مگر آج جانے کیسے رہ گئیں۔ وہ ہولے ہولے تسبیح پڑھنے لگی۔ تب ہی فاصلہ سمٹ گیا اور وہ ریڑھی کے پاس آن پہنچی تو دھیان بٹ گیا۔
"ایک چھلی بنا دو' اور ساتھ میں پانچ روپے کے دانے بھی اور مسالہ بھی ذرا زیادہ ہو۔" اس کی تسبیح ادھوری رہ گئی' بوڑھا چھلی والا سر ہلا کر چھلی بھوننے لگا۔ وہ محویت سے اسے بھونتے دیکھنے لگی۔
ذہن کے کسی گوشے میں اس روز آرزو کی کہی گئی باتیں گونجنے لگیں۔ وہ بار بار انہیں ذہن سے جھٹکنا چاہتی مگر یونہی ایک دھڑکا سا دل کو لگ گیا تھا۔ بس ایسے ہی اس کا دل گھبرا سا جاتا۔ وہ نیند میں ڈر جاتی۔ جانے کیا بات تھی۔
"دس روپے ہوئے بی بی۔"
بوڑھے شخص کی آواز پہ وہ چونکی' پھر سر جھٹک کر ہاتھ میں پکڑا پاؤچ کھولا۔ اندر پیسے اور چند کاغذ' بل وغیرہ رکھے تھے۔ اس نے دس کا نوٹ نکالنا چاہا تو ایک کاغذ' جو نوٹ کے اوپر اڑس کر رکھا گیا تھا' اڑ کر دور سڑک پہ جا گرا۔
"اوہ' ایک منٹ۔" وہ دس کا نوٹ اس کے ہاتھ پہ رکھ کر' تیمور کی پرام وہیں چھوڑے' دوڑتی ہوئی گئی جہاں سڑک کے وسط میں وہ مڑا تڑا سا کاغذ پڑا تھا۔ اس نے جھک کر کاغذ اٹھایا اور اسے کھول کر پڑھا' پھر تحریر دیکھ کر مسکرا دی۔ اگلے ہی پل سامنے سڑک کے کونے سے آتی گاڑی کی آواز آئی۔ اس نے گھبرا کر سر اٹھایا۔ گاڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔ وہ بھاگنا چاہتی تھی' ایک ہی جست میں اڑ کر سڑک پار کرنا چاہتی تھی' مگر موقع نہ ملا۔
تیز ہارن کی آواز تھی اور کوئی چیخ رہا تھا۔ اس کے پاؤں حرکت کرنے سے انکاری تھے۔ اس نے گاڑی کو خود سے ٹکراتے دیکھا' پھر اس نے خود کو پورے قد سے گرتے دیکھا' شور تھا۔۔۔ بہت شور اس نے اپنی چیخیں سنیں۔۔۔ اپنے سر سے نکل کر سڑک پر گرتا خون دیکھا' بہتا ہوا لال خون' بے حد لال۔
اس کی کلائی وہیں اس کے چہرے کے ساتھ بے دم سی گر گئی' اس نے ہاتھ کھول دیا۔ مڑا تڑا سا کاغذ نکل کر سڑک پہ لڑھک گیا۔ اس نے ارد گرد لوگوں کو اکٹھے ہوتے دیکھا۔ کہیں دور کوئی بچہ رو رہا تھا۔ بہت اونچا اونچا حلق پھاڑ کر۔ دور۔۔۔ بہت دور۔۔۔
جو آخری بات اس کے ڈوبتے ذہن نے سوچی تھی' وہ یہ تھی کہ آج اس نے صبح کی دعائیں نہیں پڑھی تھیں۔

اس کا ذہن گھپ اندھیرے میں ڈوب چکا تھا۔ تاریکی۔۔۔ سیاہ کالی مہیب سی تاریکی' بنا رنگ کے' بنا شور کے' خاموش سی تاریکی۔ اندھیرے پہ اندھیرا' پردے پہ پردہ۔

اس کا ذہن زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو چکا تھا۔ پانی پہ بہہ رہا تھا۔ بادلوں پہ تیر رہا تھا۔

زمین اور آسمان کے درمیان' نہ اوپر' نہ نیچے' ہوا کے بیچ کہیں معلق' کہیں درمیان میں' کسی تیرتے بادل پہ۔

پھر آہستہ آہستہ تیرتے بادل کو قرار آیا۔ ذرا سا جھٹکا لگا اور بادل کسی بلبلے کی طرح پھٹ کر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اور ہر طرف روشنی بھرتی گئی' تیز' پیلی روشنی۔

اس نے ہولے سے آنکھیں کھولیں۔ دھندلا سا ایک منظر سامنے تھا۔ سفید دیواریں' سفید چھت' چھت سے لٹکتا پنکھا' اس کے تین پر تھے' ہولے ہولے وہ ایک دائرے میں گھوم رہے تھے۔ دائرے' دائرے۔۔۔ بار بار دائرے۔

وہ کتنی ہی دیر یک ٹک چھت کو دیکھے گئی۔ وہ کون تھی؟ کدھر تھی؟ کیوں تھی؟ وہ خالی خالی نگاہوں سے چھت کو تکتی رہی۔ پھر یکایک اِدھر اُدھر دیکھنا چاہا۔

ارد گرد سفید دیواریں تھیں۔ قریب ہی ایک کاؤچ رکھا تھا۔ تپائی پہ سوکھے پھولوں کا گلدستہ سجا تھا۔ اس نے کہنیوں کے بل اٹھنا چاہا' مگر جسم جیسے بے جان سا ہو گیا تھا یا شاید وہ بے حد تھک چکی تھی۔ اس نے کوشش ترک کر دی اور اپنے بازوؤں کو دیکھا' جن میں بے شمار نالیاں سی پیوست تھیں۔ ہر نالی کسی نہ کسی مشین کے سرے پہ جا رکتی تھی۔ وہ شاید اسپتال کا کمرہ تھا' اور وہ خود شاید۔۔۔ بلکہ یقیناً" محمل ابراہیم تھی۔

خود کو کیسے بھولا جا سکتا ہے بھلا؟ آہستہ آہستہ ساری یادداشتیں ذہن کے ہر گوشے سے ابھرنے لگیں۔ ایک ایک بات' ایک ایک چہرہ اسے یاد آتا گیا۔

تھک کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ آخری بات بھلا کیا ہوئی تھی؟ کس چیز نے اسے اِدھر اسپتال پہنچایا؟ شاید کوئی ایکسیڈنٹ؟ اور اسے دھیرے دھیرے یاد آتا گیا۔ وہ بھٹہ لینے سڑک کے اس پار گئی تھی۔ اس کے ساتھ کاشف بھی تھا۔ وہ سائیکل چلا رہا تھا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہی ہوا تھا کہ وہ ریڑھی والے کے پاس چلی گئی۔ پھر۔۔۔ پھر کچھ ہوا تھا۔ اسے ٹکر لگی تھی۔ خون۔ بکھرے کاغذ' روتا بچہ۔

"بچہ؟" اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ ادھر اکیلی تھی۔ مگر وہ روتا بچہ۔۔۔ وہ آواز جو اسے آخری پل تک سنائی دی تھی؟ تیمور۔۔۔ تیمور رو رہا تھا۔ ہاں اسے یاد تھا' کہاں ہے تیمور؟

اس نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا' اسی پل دروازہ کھلا۔

سفید یونیفارم میں ملبوس نرس اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ وہ تیزی سے ٹرے لیے بیڈ کی طرف بڑھی' پھر اسے یوں گم صم دیکھ کر ٹھٹکی۔

"اوہ شکر ہے آپ کو ہوش آگیا" وہ حیران سی کہتی اس کے قریب آئی۔ تب ہی کھلے دروازے میں ایک بچہ نظر آیا۔

چھ' سات برس کا' خوب صورت سا بچہ' شاید وہ کاشف کا ہمسایہ راحم تھا۔ ہاں' وہ راحم ہی تھا یا شاید راحم کا چھوٹا بھائی' وہ فیصلہ نہ کر پائی۔

"آر یو آل رائٹ؟" نرس نے آہستہ سے اس کے ہاتھ کو چھوا' پھر حیرت سے پوچھا۔ وہ بنا جواب دیے بچے کا چہرہ دیکھتی رہی' جو عجیب انہماک سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ شاید وہ لڑکا تھا جس کو وہ شام میں ناظرہ پڑھاتی تھی۔

"ہم آپ کی سسٹر کو بلاتا ہے ابھی۔" نرس خوشی سے چہکتی باہر کو بھاگی۔ وہ ابھی تک بچے کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی' جن میں عجیب سی کوفت تھی اور ننھی پیشانی پہ ذرا سے بل' وہ اس کو عجیب تنفر بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا کاؤچ پہ آ بیٹھا اور کہنیاں گھٹنوں پہ رکھ کر دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ گرا دیا۔ وہ ابھی تک اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

"راحم!" اس نے پکارا تو اسے اپنی آواز بہت ہلکی

پھٹی پھٹی سی سنائی دی۔ بچہ اسی طرح سے دیکھتا رہا۔

"راحم!" اس نے پھر آواز دی۔ وہ بمشکل بول پا رہی تھی۔

"میں سنی ہوں۔" پھر لمحے بھر کو رُک کر عجیب سے تنفر سے بولا۔ "آئی ڈونٹ لائیک یو۔ (تم مجھے اچھی نہیں لگتیں)

"سنی؟" وہ دنگ رہ گئی' اس بچے کو وہ روز ناظرہ پڑھاتی تھی' وہ شاید راحم کا چھوٹا بھائی تھا۔ پھر وہ ایسے بات کیوں کر رہا تھا؟

اسی پل دروازہ زور سے کھلا۔

محمل نے چونک کر دیکھا۔

دروازے میں فرشتے کھڑی تھی۔ سیاہ عبایا پہ سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹے وہ بے یقینی سے بستر پہ لیٹی محمل کو دیکھ رہی تھی۔

"نہ۔۔۔ فرشتے" وہ اپنی جگہ جامد رہ گئی۔ فرشتے تو باہر تھی' وہ پاکستان کب آئی؟

"او میرے اللہ! محمل!" اس نے بے اختیار اپنے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ کتنے ہی پل وہ بے یقین سی کھڑی رہی۔ اس کا چہرہ کافی کمزور ہو گیا تھا۔

"محمل! محمل!" ایک دم آگے بڑھ کر اس نے بے قراری سے اس کا چہرہ چھوا۔

"تم مجھے دیکھ سکتی ہو محمل؟ تم مجھے پہچانتی ہو؟ تم بول سکتی ہو؟"

"میں تمہیں کیوں نہیں پہچانوں گی فرشتے؟ تم کب آئیں؟"

"میں؟" فرشتے متعجب ۔۔۔ نظروں سے اسے تک رہی تھی۔ میں تو۔۔۔ مجھے تو کافی وقت ہو گیا محمل! تم' میں نے تم سے اتنی باتیں کیں' تم نے' تم نے سنا؟"

"کیا؟" وہ الجھ سی گئی۔ "نہیں' میں نے تو کوئی بات نہیں سنی' میں تو۔۔۔" وہ رُک رُک کر' اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ "میں تو صبح ریڑھی والے کے پاس گئی تھی۔ مجھے گاڑی نے ٹکر مار دی' اور' اور تم نے بتایا بھی نہیں کہ تم آ رہی ہو؟"

فرشتے بے یقینی سے پھیلی آنکھوں سے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔ گویا اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ ہو۔

"فرشتے! بولو۔" اسے فرشتے کی یہ حیرت و بے یقینی پریشان کر رہی تھی' کہیں کچھ غلط تھا۔

"محمل تم۔" وہ کچھ کہتے کہتے پھر رک گئی' جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کہے۔

"یو اینڈ یور اوور ایکٹنگ! ہونہہ۔" وہ چھوٹا لڑکا بے زاری کہہ اٹھا تھا۔ فرشتے نے چونک کر اسے دیکھا۔

سیاہ حجاب میں دمکتے فرشتے کے چہرے پہ ہلکی سی ناگواری ابھری۔

"سنی پلیز بیٹا! جاؤ یہاں سے' مجھے بات کرنے دو۔"

"میں کیوں جاؤں؟ میری مرضی' آپ دونوں چلی جائیں۔"

"فرشتے! یہ کون ہے؟ کیوں ضد کر رہا ہے؟" وہ الجھ کر پوچھ رہی تھی' مگر فرشتے دوسری طرف متوجہ تھی۔

"آئی ڈونٹ وانٹ ٹو گو۔" وہ بدتمیزی سے چیخا تھا۔

"شٹ اپ تیمور! اینڈ گیٹ آؤٹ' تم دیکھ نہیں رہے میں ماما سے بات کر رہی ہوں۔"

فرشتے کہہ رہی تھی اور اسے لگا کسی نے اس کے اوپر ڈھیروں پتھر لڑھکا دیے ہوں۔

"تم نے۔۔۔ تم نے تیمور کہا فرشتے؟" وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"ہاہ! شی از ناٹ مائی مام!" وہ سر جھٹکتا اٹھ کر باہر گیا اور اپنے پیچھے زور سے دروازہ بند کیا۔

"تم نے تیمور کہا؟ نہیں' یہ تیمور۔۔۔ نہیں۔۔۔ میرا تیمور کہاں ہے؟" اس کا دل بند ہو رہا ہے' کہیں کچھ غلط تھا' کہیں کچھ بہت غلط تھا۔

فرشتے نے آہستہ سے گردن اس کی طرف موڑی۔

FIAZ AHMED
Friends Korner.com

اس کی سنہری آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھر آئی تھی۔
"محمل! تمہیں کچھ یاد نہیں؟"
"کیا... کیا یاد نہیں؟ میرا بچہ کہاں ہے؟" وہ گھٹی گھٹی سی سسک اٹھی۔ کچھ تھا جو اس کا دل ہولا رہا تھا۔
"محمل..." اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر گال پہ لڑھکنے لگے' بے اختیار اس نے محمل کے ہاتھ تھام لیے۔ "تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔"
"فرشتے میں پوچھ رہی ہوں کہ میرا بیٹا کہاں ہے؟"
"تمہارے سر پہ چوٹ آئی تھی' تمہارا اسپائنل کارڈ ڈیمج ہوا تھا۔"
"فرشتے! میرا بچہ۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ وہ بے قراری سے فرشتے کی بھیگی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔
"محمل... محمل! تم بے ہوش ہوگئی تھیں' تم کوما میں چلی گئی تھیں۔"
"مجھے پتا ہے' صبح میرا ایکسیڈنٹ..."
"وہ صبح نہیں تھا۔ وہ سات سال پہلے تھا۔"
وہ سکتے کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئی۔
"وقت سات سال آگے بڑھ گیا ہے۔ تمہیں کچھ یاد نہیں؟ وہ ساری باتیں جو میں اتنے برس تم سے کہتی رہی؟ وہ دن' وہ راتیں جو میں نے ادھر تمہارے ساتھ گزاریں' تمہیں کچھ یاد نہیں؟"
وہ پتھر کا بت بن گئی تھی۔ فرشتے کو لگا وہ اس کی بات نہیں سن رہی۔
"ڈاکٹرز کہتے تھے۔ تم کبھی بھی ہوش میں آسکتی ہو۔ تم نے بہت ویٹ کیا تمہارا محمل' بہت زیادہ۔" آنسو متواتر اس کے دمکتے چہرے پہ گر رہے تھے۔
وہ گم صم سی اسے دیکھے گئی۔ گویا وہ وہاں تھی ہی نہیں۔
"میں نے تمہارے اٹھ جانے کی بہت دعائیں کیں محمل! میں نے اپنا پی ایچ ڈی بھی چھوڑ دیا' تمہارے ایکسیڈنٹ کے دوسرے مہینے میں آگئی تھی' دو ماہ رہی' پھر واپس گئی' مگر دل ہی نہیں لگ سکا۔ میں پڑھ ہی نہیں سکی' پھر میں نے سب پڑھائی چھوڑ دی اور تمہارے پاس آگئی۔ اتنے برس محمل' اتنے برس گزر گئے' تمہیں کچھ بھی یاد نہیں؟ محمل۔"
فرشتے نے ہولے سے اس پتھر کے مجسمے کا شانہ ہلایا۔ وہ ذرا سی چونکی' پھر اس کے لب کپکپائے۔
"میرا... میرا تیمور؟"
"یہ تیمور تھا نا سنی' ہم اسے سنی کہتے ہیں۔"
مگر وہ کیسے مانتی؟ وہ جسے کوئی کاونی کا بچہ سمجھی تھی' وہ اس کا اپنا بچہ تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا؟ اسے تو لگا تھا کہ وہ بس ایک دن کے لیے سوئی ہے یا پھر شاید دن کا ایک حصہ۔ پھر صدیاں کیسے بیت گئیں؟ اسے کیوں نہیں پتا چلا؟ اور تیمور... نہیں۔
اسے کاٹ میں لیٹا اپنا نومولود بچہ یاد آیا۔
"فرشتے! وہ میرا بچہ ہے۔ اوہ خدایا۔" اس نے بے یقینی سے آنکھیں موند کر کھولیں۔ "وہ اتنا بدل گیا ہے؟"
"بہت کچھ بدل گیا ہے محمل! کیونکہ وقت بدل گیا ہے۔ "وقت ہر شے پر اپنے نشان چھوڑ جاتا ہے۔"
"ہمایوں؟" اس کے لب پھڑپھڑائے۔ "ہمایوں کہاں ہے؟"
"نرس نے جب بتایا تو میں نے اسے کال کر دیا تھا۔ مگر..." وہ لمحے بھر کو ہچکچائی۔ "وہ میٹنگ میں تھا' رات تک آسکے گا۔"
"نہیں فرشتے' تم اس کو بلاؤ' پلیز بلاؤ' اس سے کہو' محمل جاگ گئی ہے۔ محمل اس کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ میرے ایک فون پر ہی دوڑا آتا تھا۔"
"وہ سات سال پہلے کی بات تھی محمل! وقت کے ساتھ یہاں بہت کچھ بدلتا ہے' لوگ بھی بدل جاتے ہیں۔"
"وہ کیوں نہیں آیا؟" وہ کھوئی کھوئی سی بولی تھی۔ عجیب بے یقینی سی' بے یقینی تھی۔
"محمل! پریشان مت ہو۔ پلیز' دیکھو۔"
وقت ہمایوں کو نہیں بدل سکتا۔ میرا ہمایوں ایسا نہیں ہے' میرا تیمور ایسا نہیں ہے۔
وہ ہذیانی انداز سے چلائی۔ اتنی بے یقینی تھی کہ اسے رونا بھی نہیں آرہا تھا۔

فرشتے تاسف سے اسے دیکھتی رہی۔
ابھی اسے سنبھلنے میں وقت لگے گا' وہ جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

فرشتے چلی گئی اور وہ منہ پہ چادر ڈالے آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ اسے یقین نہ تھا کہ فرشتے نے اس سے سچ بولا ہے' اسے لگ رہا تھا کہ یہ سب ایک بھیانک خواب ہے اور ابھی وہ آنکھ کھولے گی تو وہ خواب ٹوٹ جائے گا۔
پھر اس نے آنکھ ہی نہ کھولی' اسے ڈر تھا کہ اگر خواب نہ ٹوٹا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔
جانے کتنا وقت گزرا' وہ لمحوں کا حساب نہ رکھ پائی۔ اور اب کون سے حساب باقی رہ گئے تھے؟
دروازے پہ ہولے سے دستک ہوئی۔ اس نے لمحے بھر کو آنکھیں کھولیں۔ ہوا سے چہرے پہ پڑی چادر سرک گئی تھی' منظر صاف واضح تھا۔
کھلے دروازے کے بیچ وہ کھڑا تھا۔
اس کی نگاہیں وہیں ٹھہر سی گئیں۔ وقت تھم گیا' لمحے ساکن ہوگئے' وہ اسے ویسا ہی لگا تھا۔ اتنا ہی وجیہہ اور شان دار' مگر اس کا جذبات سے عاری چہرہ اس پر چھائی سنجیدگی' نہیں' وہ شاید ویسا نہیں رہا تھا۔
وہ آہستہ سے قدم اٹھاتا بیڈ کے قریب آیا اور پائنتی کے ساتھ رک گیا۔
"ہمایوں!" تڑپ کر رہ گئی۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔
"ہوں' کیسی ہو؟" وہ پائنتی کے قریب کھڑا رہا' اس سے آگے نہیں بڑھا' آواز میں بھی عجیب سرد مہری تھی۔
"ہمایوں!" وہ رونے لگی تھی۔ "یہ سب کیا ہے؟ یہ کہتے ہیں کہ اتنے سال گزر گئے' میری نیند اتنی لمبی کیوں ہوگئی؟"
"معلوم نہیں۔ ڈاکٹرز کب تمہیں ڈسچارج کریں گے؟" وہ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ جیسے جانے کی جلدی ہو' اس کے لہجے میں کوئی ناراضی کا عنصر نہ تھا' بلکہ بہت ہموار لہجہ تھا۔ لیکن شاید ان کے درمیان کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔
"میں ٹھیک ہو جاؤں گی نا ہمایوں؟" جیسے وہ تسلی کے دو بول سننا چاہتی تھی۔
"ہوں۔" وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے تنقیدی نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔
یہ سب کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ؟ ہمایوں... اور تیمور... وہ اس کے ساتھ یوں کیوں کر رہے تھے؟
"ہمایوں... مجھ سے بات تو کریں۔"
"ہاں' کہو میں سن رہا ہوں۔" وہ متوجہ ہوا' لمحے بھر کو نگاہ اس پہ جھکائی۔
اس کے آنسو تھم گئے۔ وہ بالکل چپ ہو کر رہ گئی۔ یہ تو محبت کی نگاہ نہ تھی' یہ تو خیرات تھی' بھیک تھی۔
وہ چند لمحے منتظر سا اسے دیکھتا رہا' پھر واپس جانے کو مڑا۔
اسی پل دروازے میں فرشتے کا سراپا ابھرا۔ وہ ہاتھ میں فروٹ باسکٹ پکڑے تیزی سے اندر آرہی تھی۔ ہمایوں اس کے ایک طرف سے نکل کر باہر چلا گیا۔
فرشتے نے پلٹ کر اسے جاتے دیکھا۔
"ہمایوں ابھی تو آیا تھا؟ چلا بھی گیا؟ کیا کہہ رہا تھا؟" اچنبھے سے کہتے ہوئے اس نے گردن اس کی جانب موڑی۔ محمل کے چہرے پہ کچھ تھا کہ وہ لمحے بھر کو چپ سی ہوگئی۔
"فکر مت کرو' وہ ہر کسی سے ایسے ہی بی ہیو کرتا ہے۔" وہ ماحول کو خوش گوار کرنے کے لیے کہتی آگے بڑھی اور فروٹ باسکٹ سائیڈ ٹیبل پہ رکھی۔
"مگر میں' کسی تو نہیں تھی فرشتے۔" وہ ابھی تک نم آنکھوں سے کھلے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔
"ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ' تم کیوں فکر کرتی ہو؟"
"مگر وہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا تھا؟" اس کی آنکھیں پھر سے ڈبڈبائیں۔
"محمل دیکھو' اس تبدیلی نے وقت لیا ہے' تو اس کو ٹھیک ہونے میں بھی وقت لگے گا۔ تم اس کو کچھ وقت

FIAZ AHMED

دو۔" وہ اس کے ریشمی بھورے بال نرمی سے ہاتھ میں پکڑے برش کر رہی تھی۔

وقت' وقت' وقت..... وہ ایک ہی تکرار ہر جگہ دہرائی جا رہی تھی۔ اس وقت نے کیا کچھ بدل دیا تھا' اسے اس کا اندازہ آہستہ آہستہ ہو رہا تھا۔

وہ اپنے نچلے دھڑ کو حرکت نہیں دے سکتی تھی' وہ اپنے پاؤں نہیں ہلا سکتی تھی۔ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتی تھی۔ خود کھانا نہیں کھا سکتی تھی۔ اپنے پاؤں پہ کھڑی ہونے کے قابل نہیں رہی تھی۔ یہ سب کیا ہو گیا تھا۔

"اس دن' اس دن جب میں گھر سے نکلی تھی تو میں نے صبح کی دعائیں نہیں پڑھی تھیں۔ یہ سب اسی لیے ہوا ہے فرشتے کہ میں دعا پڑھے بغیر گھر سے نکلی تھی' ہے نا۔" وہ نرمی سے اس کے بال سلجھا رہی تھی' جب وہ بھیگی آنکھوں اور رُندھے گلے سے کہنے لگی۔ فرشتے نے گہری سانس لی' کہا کچھ نہیں۔

"نہ تھا کہ اس کو اللہ سے کام آتا کچھ بھی' مگر ایک حاجت تھی یعقوب علیہ السلام کے دل میں' تو اس نے اسے پورا کیا۔" بہت دھیرے سے اس کے دل میں کسی نے سرگوشی کی تھی۔ وہ یکلخت چونک سی گئی۔

"نہ تھا کہ اس کو اللہ سے کام آتا کچھ بھی' مگر ایک حاجت تھی یعقوب علیہ السلام کے دل میں' تو اس نے اسے پورا کیا۔"

اس نے سننے کی کوشش کی۔ کوئی اس کے اندر مسلسل یہ الفاظ دہرا رہا تھا۔ دھیمی' مدھر آواز' ترنم اور سوز سے پُر۔ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ وہ ایک دم سناٹے میں آ گئی۔

یہ الفاظ' یہ بات' یہ سب بہت جانا پہچانا تھا۔ شاید یہ ایک آیت تھی۔

ہاں' یہ آیت تھی' سورۃ یوسف' تیرہواں سیارہ' جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو غالباً" نظر بد سے بچاؤ کے لیے احتیاطاً" شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی تاکید کی تھی' تو اس پہ اللہ تعالیٰ نے جیسے تبصرہ کیا تھا کہ ان بھائیوں کو اگر اللہ کی مرضی و منشا ہوتی تو پھر اللہ کے فیصلے سے کوئی بھی نہ بچا پاتا' مگر وہ احتیاط تو یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک حاجت تھی' تو یعقوب علیہ السلام نے اسے پورا کیا۔

ایک خاموش لمحے میں اس پہ کچھ آشکار ہوا تھا۔ یہ جو ہوا تھا' اسے ایسے ہی ہونا تھا۔ وہ جو کر لیتی' یہ اللہ کی مرضی تھی' ہو کر رہی تھی' یہ اس کی تقدیر تھی' شاید اس کی دعاؤں نے اسے کسی بڑے نقصان سے بچا لیا ہو' مگر کیا اس سے بھی کوئی بڑا نقصان ہو سکتا تھا؟ کوما' معذوری' بیزار شوہر' بدکتا ہوا بچہ۔ اب کیا رہ گیا تھا زندگی میں۔

"کتنا کم تم شکر ادا کرتے ہو!"

کسی نے پھر اس کو ذرا خفگی سے مخاطب کیا تھا۔ وہ پھر سے چونکی اور قدرے مضطرب ہوئی۔ یہ کون اسے بار بار اندر ہی اندر مخاطب کرتا تھا؟ یہ کون تھا؟

"فرشتے' پلیز مجھے کچھ دیر کے لیے' پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ بہت بے بسی سے بولی تو فرشتے کا اس کے بالوں میں برش کرتا ہاتھ رک گیا۔ پھر اس نے جیسے سمجھ کر سر ہلا دیا۔

"اوکے۔" اس نے برش سائیڈ پہ رکھا اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"ہم نے بسایا تم کو زمین میں اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کے سامان بنائے' کتنا کم تم شکر ادا کرتے ہو۔" (سورۂ اعراف)

کوئی اس کے اندر ہی اندر اسے جھنجوڑ رہا تھا' پکار رہا تھا۔ اس کے اندر باہر اتنا شور تھا کہ وہ سن نہ پا رہی تھی' سمجھ نہ پا رہی تھی' فرشتے گئی تو اس نے آنکھیں موند لیں۔

اب اس کے ہر سُو اندھیرا اتر آیا' خاموشی اور تنہائی' اس نے غور سے سننا چاہا' چند ملی جلی آوازیں بار بار گونج رہی تھیں۔

"ہم تم میں سے ہر ایک کو آزمائیں گے' شر کے ساتھ اور خیر کے ساتھ۔"

"کہہ دو' بے شک میری نماز اور میری قربانی' اور میرا جینا اور میرا مرنا' سب اللہ ہی کے لیے ہے' جو رب ہے تمام جہانوں کا۔"

اس کے ذہن میں جیسے جھماکا سا ہوا' ایک دم اندر باہر روشنی بکھرتی گئی' اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

"میرا قرآن۔۔۔ میرا کلام پاک' میرا مصحف۔"

وہ کبھی قرآن کے بغیر گھر سے نہیں نکلتی تھی۔ اس روز بھی وہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ بلکہ بیگ میں رکھا تھا۔ جب وہ ایکسیڈنٹ کے بعد ادھر لائی گئی ہو گی تو یقیناً" وہ بھی ساتھ آیا ہو گا' پھر اسے ادھر ہونا چاہیے۔

مگر سات سال' اسے یاد آیا' وہ سات سال درمیان میں آ گئے تھے۔ ان کے پیچھے تو ہر شے گویا دھول میں گم ہو گئی تھی۔ "اوہ خدایا' وہ کیا کرے۔"

اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ یہ ایسی عجیب سی بات تھی' جس پہ اسے یقین ہی نہیں آتا تھا۔ وہ جتنا سوچتی اور الجھتی جاتی۔

تب ہی دروازہ ہولے سے کھلا' اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

تیمور دروازے میں ایستادہ تھا' جینز شرٹ پہنے اس کے بھورے بال ماتھے پہ کٹ کر گر رہے تھے۔ اس کی ناک بالکل ہمایوں کی طرح تھی' کھڑی' مغرور ناک اور آنکھیں محمل کی سی' سنہری چمکتے کانچ جیسی۔

اور ماتھے کے وہ بل' وہ جانے کس جیسے تھے!

"تیمور۔" اس کو دیکھ کر محمل کی آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں۔ وہ اس کا بیٹا تھا۔ اس کا تیمور تھا۔

"ادھر آؤ بیٹا۔"

"ویئر از مائی ڈیڈ؟" (میرے ڈیڈ کہاں ہیں؟) وہ اسی تنفر سے چبھتے ہوئے انداز میں بولا تھا۔ منہ پھٹ' اکھڑ' بدتمیز' اگر وہ اس کی ماں نہ ہوتی تو یہ تین الفاظ اس کے ذہن میں اس کے متعلق فوراً" ابھرتے۔

"وہ ابھی آئے تھے' پھر چلے گئے۔ تم ماما سے نہیں ملو گے؟" اس نے ممتا سے مجبور اپنے بازو پھیلائے۔

"نہیں۔" اس نے باہر نکل کر زور سے دروازہ بند کر دیا۔

وہ سُن ہو کر رہ گئی۔ بازو آہستہ سے پہلو میں آن گرے۔

یہ سات سال کا بچہ۔ اس کے دل میں اتنی نفرت' اتنی کڑواہٹ کیسے آ گئی؟ کیا قصور تھا اس کا کہ وہ یوں اس سے متنفر تھا؟ اور صرف اس سے نہیں' بلکہ فرشتے سے بھی۔

بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اور پھر وہ کب روتے سو گئی' اسے پتا بھی نہ چلا۔

☼ ☼ ☼

فزیو تھراپسٹ اسے ایکسرسائز کرانے کی ناکام کوشش کر کے جا چکی تھی۔ وہ اسی طرح دنیا سے بیزار آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ یہ دایاں بازو تو بالکل ٹھیک کام کرتا تھا۔ بایاں البتہ ذرا سا ڈھیلا تھا' مگر امید تھی کہ وہ بھی جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹانگوں کے متعلق کچھ کہنے سے ڈاکٹرز ابھی قاصر تھے۔ کبھی وہ کہتے کہ فزیو تھراپی سے آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہو جائے گی اور بعض اوقات وہ اس سب کا انحصار اس کی اپنی قوتِ ارادی پہ گردانتے۔ وہ قوتِ ارادی جس کو استعمال کرنے کی سعی ابھی وہ نہیں کر رہی تھی۔

ایک دم سے پھولوں کی مہک نتھنوں سے ٹکرائی تو اس نے دھیرے سے بازو ہٹایا اور آنکھیں کھولیں۔

فرشتے بڑا سا مہکتے سرخ گلابوں کا بوکے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے سیاہ اسکارف میں مقید چہرے پہ وہی مخصوص ٹھنڈی سی مسکراہٹ تھی۔

"السلام علیکم مائی سسٹر! کیسی ہو اور یہ فزیو تھراپسٹ کو کیوں تم نے بھگا دیا؟" وہ کانچ کے گل دان میں گلدستہ لگاتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے کسی فزیو کی ضرورت نہیں ہے' میں ٹھیک ہوں' یہ لوگ مجھے گھر کیوں نہیں جانے دے رہے؟"

"میں نے ڈاکٹر سے بات کی ہے' وہ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں عنقریب گھر شفٹ کر دیں گے۔" شاید ایک ہفتے تک تم مینٹلی بالکل ٹھیک ہو اور تمہیں مزید اسپتال میں رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ پھول سیٹ کر کے شاپر سے کچھ اور نکالنے لگی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"اور تیمور نہیں آیا؟"

"اسے آنا تھا کیا؟" اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"ہاں' میں اسے روز ساتھ ہی لاتی ہوں' پتا نہیں' شاید لان میں بیٹھا ہو' ابھی آجائے گا۔" وہ کہہ کر خود ہی شرمندہ ہوئی۔

محمل نے پھر سے چہرے پہ بازو رکھ لیا۔ وہ اب یوں ہی ساری دنیا سے چھپ جانا چاہتی تھی۔

فرشتے روز صبح آتی تھی۔ پھر دوپہر میں چلی جاتی' اور گھنٹے بھر بعد تیمور کو ساتھ لیے آتی۔ وہ باہر ہی پھرتا رہتا' اندر نہ آتا' پھر عصر کے وقت فرشتے چلی جاتی' غالباً" اسے مسجد جانا ہوتا تھا' رات کو وہ پھر ایک چکر لگا لیتی۔ چھٹی کے دن وہ تیمور کو صبح سے ہی ساتھ لے آتی اور باقی دنوں میں اس کے اسکول کے باعث دوپہر میں لاتی' ہاں رات کو تیمور اس کے ساتھ نہیں آتا تھا۔ اور ہمایوں' وہ تو بس ایک ہی دفعہ آیا تھا۔ پھر اس کے بعد ہمیشہ "وہ شاید بزی ہوگا" والا جواب فرشتے خوب شرمندہ ہو کر دیتی۔

وہ دن میں تین' تین چکر لگاتی' گویا گھن چکر بنی رہتی۔ محمل کا ہر چھوٹا بڑا کام کرتی اور نہیں تو اس کے ساتھ بیٹھی تسلی اور پیار کی باتیں کرتی رہتی۔ اب بھی وہ جانے کیا چیز الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ محمل کو کھٹ کھٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔ مگر وہ یوں ہی بیزار سی منہ پہ بازو رکھے لیٹی رہی۔ اور پھر آہستہ سے وہ مترنم آواز پورے کمرے میں گونجنے لگی۔

"سب تعریف اس اللہ کی' وہ ذات جس نے اپنے بندے پہ کتاب اتاری اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں بنایا۔"

اس نے جھٹکے سے بازو ہٹایا۔

فرشتے ٹیپ ریکارڈر سیٹ کر کے ہاتھ میں پکڑے کیسٹ کور بند کر رہی تھی۔ محمل کی طرف اس کی پشت تھی۔ "درست کرنے والی" (کتاب) تاکہ وہ اپنے پاس موجود سخت عذاب سے ڈرائے' اور خوش خبری دے ان مومنوں کو جو اچھے کام کرتے ہیں کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔"

وہ یہ آواز لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ قاری مشاری کی سورۃ الکہف۔

"وہ رہنے والے ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ اور ڈرائے ان لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔"

لفظ بوند بوند اس کی سماعت میں اتر رہے تھے۔ آج جمعہ تھا اور وہ ہمیشہ جمعے کو سورۃ کہف پڑھا کرتی تھی۔

"نہ ان کے پاس اس کا کوئی علم ہے اور نہ ہی ان کے آباؤ اجداد کے پاس ہے۔ ان کے منہ سے یہ بہت بڑی بات نکلتی ہے' وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں کہتے۔"

کھٹ سے فرشتے نے اسٹاپ کا بٹن دبایا تو آواز رک گئی' اس نے تڑپ کر فرشتے کو دیکھا۔

"لگائیں نا۔ بند کیوں کر دی؟"

"اوہ تم جاگ رہی تھیں۔" وہ چونک کر پلٹی۔ "میں سمجھی تم سو گئی ہو' میں نے سوچا تمہیں تنگ نہ کروں۔"

"کوئی قاری مشاری کی سورۃ کہف سے بھی تنگ ہو سکتا ہے بھلا؟ اس میں تو میری جان مقید ہے فرشتے' آپ کو یاد ہے' جب جمعے کو کلاس میں سورۃ کہف شروع ہوئی تھی تو الحمدللہ الذی" ہی پہ میرے آنسو گرنے لگتے تھے۔

"تمہارے آنسو اب بھی گر رہے ہیں محمل۔" وہ آہستہ سے اس کے قریب آن بیٹھی اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

محمل کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

"میں جانتی ہوں تم تیمور اور ہمایوں کی وجہ سے اپ سیٹ ہو۔ بھول جاؤ ان کی باتیں محمل! وہ ناسمجھ ہیں' ان کی وجہ سے اپنا چین سکون برباد نہ کرو' وہ وقت کے ساتھ ساتھ سمجھ جائیں گے' مگر ایک بات تمہیں ذہن میں بٹھا لینا چاہیے کہ تمہاری زندگی ان پہ انحصار نہیں کرتی' تم ان کے بغیر نہیں مر جاؤ گی' ان کے بغیر جینا سیکھو محمل! خود کو اسٹرانگ کر دو۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے تیزی سے بات کاٹی۔ "مگر ابھی آپ سورۃ کہف لگائیں نا' پلیز مجھے سننا ہے۔"

فرشتے ذرا سی حیران ہوئی' پھر گہری سانس لے کر

Sean & Iqra
FIAZ AHMED
Friends Korner.com

ہوئی تو وہ گھبرا گئی۔ اس نے چونک کر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ زور سے اور سر اٹھایا۔ محل کو آتے دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گیا۔ اس نے توس کا بچا ٹکڑا زور سے پلیٹ میں واپس پھینکا اور کرسی پیچھے کو دھکیل۔

"میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ٹاک ٹو یو۔" انہیں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مگر مجھے کرنا ہے اور یہ تمہارے ڈیڈ کا میسج ہے میرا نہیں۔"

"اوہ؟" وہ لمحے بھر کو رکا تھا۔ پھر بل اور بھنویں تنی ہوئی۔

"شاید میں اس گھر سے چلی جاؤں شاید اب ہم ساتھ نہ رہیں میں اور تمہارے ڈیڈ۔"

"آئی ڈونٹ کیئر۔"

"تیمور تم کس کے ساتھ رہنا چاہو گے؟ میرے ساتھ یا ڈیڈی کے ساتھ؟" وہ جانتی تھی کہ تیمور کا جواب کم از کم اس کے حق میں نہیں ہوگا پھر بھی پوچھ لیا۔

"کسی کے بھی ساتھ نہیں۔" اس نے بے زاری سے شانے اچکائے تھے۔

"مگر بیٹا آپ کو کسی کے ساتھ تو رہنا ہوگا۔"

"میں آپ کو نہ کسی کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں؟"

"جسٹ لیو می الون۔" وہ ایک دم زور سے چیخا تھا اور پھر کرسی کو ٹھوکر مار کر اندر چلا گیا۔

وہ بے بسی سے اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ یہ تو توقع نہیں تھی۔ یہ اندر بھرا ہوا غبار۔ یہ کس نے تیمور کے اندر ڈالا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ اس کے باپ کو مورد الزام ٹھہراتی ایک منظر سا اس کی نگاہوں کے سامنے بننے لگا۔

جینز کرتے میں ملبوس گھنی بھوؤں والا ایک لڑکا چہرے پہ ڈھیروں بے زاری سجائے چلا رہا تھا۔

"مجھے آپ کے باپ کی نوکر ہوں جو یہ کروں؟"

اس کے مخاطب بہت سے چہرے تھے مگر سب کی مشترکہ بھی مسرت بھی کہ زندہ تو تھی کوئی چلا تھا۔

اسے وہ منہ پھٹ بد مزاج اور ضدی لڑکا یاد آیا۔ اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

"بیٹا جو اپنے بڑوں سے جیسا کرتا ہے اس کے چھوٹے بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کرتے ہیں۔" کوئی اس کے اندر بولا تھا۔

راستہ ایک ہی ہے "اس پہ انسان ایک وقت تک چلتا ہے اور پھر" تو وہ واپس اپنے قدموں کے نشانوں پہ لوٹتا ہے مگر یہاں انکار کر جاتے ہیں۔ کتنی کو نوازیاں کرنے والے کانٹے ہی ملتے ہیں اور جنہوں نے پھول بکھیرے ہوں ان کا انتظار گلشت کر رہے ہوتے ہیں۔

"محل!" کسی نے پکارا تو وہ خیالوں سے جاگی اور پھر خفگی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"کیا میں نے ٹھیک سنا؟" فرشتہ جیسے بے یقینی کی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"ہاں میں نے غلط کو غلط کہتے ہوئے سر اٹھایا۔"

"محل! تم اور ہمایوں۔ تم الگ ہو رہے ہو؟" تحیر کی کیفی اس کے سامنے زمین پہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور دونوں ہاتھ اس کے گود میں دھرے ہاتھوں پہ رکھے۔

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں تم نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟" وہ مضطرب سی اس کی آنکھوں میں دیکھتی جواب تلاش کر رہی تھی۔

"میں نے نہیں کیا۔ ہمایوں نے کیا ہے۔"

"کیا اس نے خود تمہیں ایسا کہا ہے؟"

"ہاں۔"

"تم نے مان لیا؟" وہ بے یقین تھی۔

"میرے پاس چوائس ہی کیا ہے؟"

فرشتہ کچھ کہہ نہ سکی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Scan & PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.com

نمرہ احمد

محبت

محمل ابراہیم' آغا ابراہیم اور مسرت بیگم کی خوب صورت اور طرح دار بیٹی ہے۔ بچپن میں ہی آغا ابراہیم کے انتقال کے بعد مایا آغا کریم اور چچاؤں کے رحم و کرم پر ہے۔ مسرت سیدھی سادھی خاتون تھیں۔ اس لیے اپنی سسرال کو گھر اور کاروبار پر قبضہ کرنے سے روک نہیں پائیں۔ جس کا قلق محمل کو ہے۔ گھر والوں خصوصاً" تائی مہتاب کا رویہ ماں بیٹی کے ساتھ بے حد ناروا ہے۔ اپنے تعلیمی اخراجات و ضروریات کے لیے محمل ٹیوشن سینٹر میں پڑھاتی ہے۔

آغا ابراہیم کے اس محفل نما گھر میں آغا کریم اور مہتاب تائی' فواد' حنان' وسیم' سدرہ اور لبرین کے ساتھ مقیم ہیں۔ آغا ابراہیم کے جڑواں بھائی آغا غفران اور فضہ چچی کے تین بچے حسن' ندا اور سامیہ ہیں۔ سب سے چھوٹے آغا اسد اور ناعمہ بالائی منزل پر رہائش پذیر ہیں۔ جن کے تین بچے آرزو' معیز اور معاذ ہیں جبکہ رضیہ پھپھو کی ایک صاحبزادی فائقہ بھی ہیں۔ خاندان بھر میں تائی مہتاب اور آغا کریم کے فرزند فواد کو خاص مقام حاصل ہے۔ آرزو' فائقہ اور ندا اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہیں۔ محمل کو تائی مہتاب کے خاندان کی اس دکھتی رگ کا بخوبی اندازہ ہے۔ وہ فواد کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اسے نظر انداز کرتی ہے تو وہ اس پر چونک جاتا ہے۔ آرزو' سدرہ اور فائقہ کو اس کی خوب صورتی اور ذہانت سے حسد ہے۔

کالج جاتے ہوئے ہر روز اسے ایک پراسرار سیاہ فام لڑکی ملتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ جلد کی کتاب محمل کی توجہ کھینچتی ہے۔ وہ لڑکی محمل کو بتاتی ہے کہ اس کتاب میں ماضی' حال' مستقبل کا احوال ہے۔ اور اس میں حالات اپنے گرفت میں کرنے کا نسخہ ہے۔ محمل اسے سمجھ نہیں پاتی ہے۔ وہ لڑکی محمل سے کہتی ہے کہ ایک دن اسے اس کتاب کی ضرورت ضرور پڑے گی۔

محمل' آغا کریم کو بتاتی ہے کہ بہترین تعلیمی ریکارڈ پر اسے جلد ہی برٹش کونسل کی جانب سے لندن کی اسکالر شپ مل